اصلاحِ حیات

تالیف

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

اس مجموعہ میں سات مضامین اور چار تقریریں شامل ہیں ان مضامین اور تقریروں میں سیرت نبوی ایمان و عقیدہ اور عام انسانی مسائل پر بحث کی گئی ہے اور نئے طرز سے سوچنے اور نئے طریقے پر کوشش کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

مجلس نشریاتِ اسلام ۱۔کے ۳ ناظم آباد ۱ کراچی ۱۸

مجنید ۱۹۸۰ء

سلسلہ مطبوعات

۴۸

اصلاحیات

اس مجموعہ میں سات مضامین اور چار تقریریں شامل ہیں — ان مضامین اور تقریروں میں سیرت نبوی، ایمان و عقیدہ اور عام انسانی مسائل پر بحث کی گئی ہے اور نئے طرز سے سوچنے اور نئے طریقے پر کوشش کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ناشر

مجلس نشریات اسلام

۱۔کے۔۳ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ۱، کراچی ۱۸

نام کتاب ـــــــــــ اصلاحیات
مصنف ـــــــــــ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
سال اشاعت ـــــــــــ سنہ ۱۹۸۰ء
تعداد ـــــــــــ ایک ہزار
کتابت ـــــــــــ بلقیس نازؔ
مطبوعہ ـــــــــــ تنویر پریس
قیمت ـــــــــــ ۱۵/-

ناشر

فضل ربّی ندویؒ

مجلسِ نشریاتِ اسلام

۱۔ کے۔۳۔ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد نمبر ۱ کراچی ۱۸

تعارف

(مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر "الفرقان" لکھنؤ)

صدیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اب سے چند سال پہلے مختلف موضوعات پر چند اہم مضامین لکھے تھے جو پندرہ روزہ دینی رسالہ "تعمیر" میں (جو اب بند ہو چکا ہے) شائع ہوئے تھے پھر ان مضامین کو انکی خاص اہمیت اور افادیت کے پیش نظر الگ الگ کتابی شکل میں بھی شائع کر دیا گیا تھا الحمدللہ ان کو بڑی قبولیت حاصل ہوئی اور ہمارا اندازہ ہے کہ ناظرین کو ان سے بہت نفع ہوا۔

اب مولانا موصوف کے بعض اہم مضامین اور مخصوص تقریروں کا ایک مجموعہ اس کتاب کی شکل میں شائع کیا جارہا ہے اس میں سات مضامین اور چار تقریریں ہیں مضامین کے عنوانات یہ ہیں (۱) روشنی کا مینار (۲) مرد خدا کا یقین (۳) نیا خون (۴) مذہب یا تہذیب (۵) یہ خلاقی گراوٹ کیوں (۶) ہندوستانی سماج کی خبر لیجئے (۷) آنکھوں کی سوئیاں۔ ان مضامین کے بعد جو چار تقریریں ہیں ان کے عنوانات یہ ہیں (۱) دنیا کی سالگرہ (۲) مسلمانوں پر ایک نظر اور

قلب پر تین اثر (۳) صورت و حقیقت (۴) انسان کی تلاش۔ ان میں پہلی تقریر سیرت نبوی کے موضوع پر ہے جو ریڈیو اسٹیشن سے نشر کی گئی تھی۔ دوسری تقریر اب سے قریباً پچیس سال پہلے عید کے موقع پر مسلمانوں کے ایک بڑے مجمع میں کی گئی تھی۔ تیسری لکھنؤ کے ایک بڑے تبلیغی اجتماع کی تقریر ہے اور آخری چوتھی تقریر لکھنؤ ہی کے ایک عظیم الشان مخلوط اجتماع میں کی گئی تھی جس میں ہندو، مسلمان، سکھ اتنی بڑی تعداد میں اور ایسی سنجیدگی کے ساتھ شریک ہوئے تھے جس کا نمونہ آنکھوں نے بہت کم دیکھا ہوگا۔ مضمونوں اور تقریروں کے یہ صرف عنوانات لکھ دیئے گئے ہیں لیکن ان عنوانات کے تحت میں کیا لکھا اور کہا گیا ہے اس کو ناظرین آئندہ اوراق میں خود ملاحظہ فرمائیں اور جو پیغام دیا گیا ہے اس کو دوسروں تک بھی پہنچائیں۔ ان فی ذلک لذکری لمن کان له قلب اوالقی السمع وھو شہید۔

ناچیز محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۲۰ ذی قعدہ ۱۳۷۵ھ

روشنی کا مینار

۱

اس اُمّت کا وجود دنیا کے ہر گوشہ میں
مادی حقیقتوں اور جسمانی لذّتوں کے علاوہ
ایک بالکل دوسری حقیقت کے وجود کا
اعلان تھا۔ اس کا ہر فرد پیدا ہو کر اور مر کر
بھی اس حقیقت کا اعلان کرتا تھا کہ
دنیا کی طاقتوں سے بڑی ایک دوسری
طاقت ہے اور اس زندگی سے زیادہ
حقیقی دوسری زندگی ہے۔

ذرا چودہ سو برس پہلے کی دنیا پر نظر ڈالئے، اونچی عمارتوں، سونے چاندی کے ڈھیروں اور زرق برق لباسوں کو چھوڑ دیجئے، یہ تو آپ کو پرانی تصویروں کے مرقع اور مردہ عجائب خانہ میں بھی نظر آجائیں گے، یہ دیکھئے کہ انسانیت بھی کبھی جیتی اور جاگتی تھی، مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھر کر دیکھ لیجئے اور سانس روک کر آہٹ لیجئے کہیں اس کی نبض چلتی ہوئی اور اس کا دل دھڑکتا ہوا معلوم ہوتا ہے، زندگی کے سمندر میں بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھائے جارہی تھی انسانیت کے جنگل میں شیر اور چیتے، سور اور بھیڑیے بکریوں اور بھیڑوں کو پھاڑے کھا رہے تھے، بدی نیکی پر، رذالت شرافت پر، خواہشات عقل پر، پیٹ کے تقاضے روح کے تقاضوں پر غالب آچکے تھے، لیکن اس صورتِ حال کے خلاف اتنی لمبی چوڑی زمین پر کہیں احتجاج نہ تھا انسانیت کی چوڑی پیشانی پر غصہ کی کوئی شکن نظر نہیں آتی تھی، ساری دنیا نیلام کی ایک منڈی بن چکی تھی، بادشاہ وزیر، امیر و غریب، اس منڈی میں سب کے دام لگ رہے تھے اور سب کوڑیوں میں بک رہے تھے۔ کوئی ایسا بھی نہ تھا جس کا جوہر انسانیت

خریداروں کے حوصلہ سے بلند ہو اور جو پکار کر کہے کہ یہ ساری فضا میری ایک اڑان کے لئے کافی نہیں! یہ ساری دنیا اور یہ پوری زندگی میرے حوصلہ سے کم تھی اس لئے ایک دوسری ابدی زندگی میرے لئے پیدا کی گئی میں اس فانی زندگی اور اس محدود دنیا کی ایک چھوٹی سی کسر پر اپنی روح کو کس طرح فروخت کرسکتا ہوں؟ قوموں اور ملکوں کے اور ان سے گزر کر قبیلوں اور برادریوں کے اور ان سے آگے بڑھ کر کنبوں اور گھرانوں کے چھوٹے چھوٹے گھروندے بن گئے تھے اور بڑے بڑے بلند ہمت انسان جن کو اپنی سرفرازی وسربلندی کے بڑے اونچے دعوے تھے، بالشتیوں کی طرح ان گھروندوں میں رہنے کے عادی بن چکے تھے کسی کو ان میں تنگی اور گھٹن محسوس نہیں ہوتی تھی اور کسی میں اس سے زیادہ وسیع دنیا اور اس سے وسیع تر انسانیت کا تصور باقی نہیں رہا تھا، زندگی ساری سود وسودا اور مکر و فن میں گھر کر رہ گئی تھی، انسانیت ایک سرد لاشہ تھا جس میں کہیں روح کی تپش دل کا سوز اور عشق کی حرارت باقی نہیں رہی تھی، انسانیت کی سطح پر خود رو جنگل اگ آیا تھا، ہر طرف جھاڑیاں تھیں جن میں خونخوار درندے اور زہریلے کیڑے تھے یا دلدلیں تھیں جن میں جسم سے لپٹ جانے والی اور خون چوسنے والی جونکیں تھیں اس جنگل میں ہر طرح کا خوفناک جانور ہر طرح کا شکاری پرندہ اور ان دلدلوں میں ہر قسم کی جونک پائی جاتی تھی لیکن آدم زادوں کی اس بستی میں کوئی آدمی نظر نہیں آتا تھا، جو آدمی تھے وہ غاروں کے اندر، پہاڑوں کے اوپر اور خانقاہوں اور عبادت گاہوں کی خلوتوں میں چھپے ہوئے تھے اور اپنی خیر منا رہے تھے یا زندگی میں رہتے ہوئے زندگی سے آنکھیں بند کر کے فلسفہ سے اپنا دل بہلا رہے تھے یا

شاعری سے اپنا غم غلط کر رہے تھے اور زندگی کے میدان میں کوئی مرد میدان نہ تھا۔

دفعتاً انسانیت کے اس سرد جسم میں گرم خون کی ایک رَو دوڑی نبض میں حرکت اور جسم میں جنبش پیدا ہوئی جن پرندوں نے اس کو مردہ سمجھ کر اس کے بے حس جسم کی ساکن سطح پر بسیرا کر رکھا تھا ان کو اپنے گھر ہلتے ہوئے اور اپنے جسم لرزتے ہوئے محسوس ہوئے قدیم سیرت نگار اس کو اپنی زبان خاص میں یوں بیان کرتے ہیں کہ کسریٰ شاہ ایران کے محل کے کنگرے گرے اور آتش پارس ایک دم سے بجھ گئی۔ زمانہ حال کا مورخ اس طرح بیان کرے گا کہ انسانیت کی اس اندرونی حرکت سے اس کی بیرونی سطح میں اضطراب پیدا ہوا، اس کی اس ساکن و بے حرکت سطح پر جتنے کمزور اور بودے قلعے بنے ہوئے تھے ان میں زلزلہ آیا۔ مکڑی کا ہر جالا ٹوٹتا اور تنکوں کا ہر گھونسلہ بکھرتا نظر آیا، زمین کی اندرونی حرکت سے اگر سنگین عمارت اور آہنی برج خزاں کے پتّوں کی طرح جھڑ سکتے ہیں تو پیغمبر کی آمد آمد سے کسریٰ و قیصر کے خود ساختہ نظاموں میں تزلزل کیوں نہ ہوگا؟ زندگی کا یہ گرم خون جو انسانیت کے سرد جسم میں دوڑا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا واقعہ ہے جو متمدن دنیا کے قلب مکہ معظمہ میں پیش آیا آپ نے دنیا کو جو پیغام دیا اس کے مختصر الفاظ زندگی کی تمام وسعتوں پر حاوی ہیں، تاریخ گواہ ہے کہ انسانی زندگی کی جڑیں اور اس کے جھوٹے قصرِ زندگی کی بنیادیں کبھی اس زور سے نہیں ہلائی گئیں جیسی اس پیغام لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے اعلان سے ہلائی گئیں اور دنیا کے بلید ذہن پر کبھی ایسی چوٹ نہیں پڑی تھی، جیسے ان لفظوں سے پڑی، وہ غصہ سے تلملا گیا اور اس نے

جھنجھلا کر کہا اجعل الالهة الهاً واحداً ان هٰذا لشیٔ عجاب (کیا ان سب کو جن کی ہم پرستش کرتے تھے اور جن کے ہم بندے بنے ہوئے تھے اڑا کر) ایک ہی معبود مقصود رکھا ہے، یہ تو بڑے اچنبھے کی بات ہے، اس ذہن کے نمائندوں نے فیصلہ کیا کہ یہ ہمارے نظام زندگی کے خلاف ایک گہری اور منظم سازش ہے اور ہم کو اس کا مطالبہ کرنا ہے وانطلق الملأ منهم ان امشوا واصبروا علی آلهتكم ان هٰذا لشیٔ یراد (ان کے سردار اور ذمہ دار ایک دوسرے کے پاس گئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو یہ تو کوئی طے کی ہوئی بات معلوم ہوتی ہے) یہ نعرہ زندگی اور انسانیت کے پورے تصور پر ایک کاری ضرب تھی جو ذہن کے پورے سانچے اور زندگی کے پورے ڈھانچہ کو متاثر کرتی تھی اس کا مطلب تھا جیسا کہ آج تک سمجھا جاتا رہا یہ دنیا کوئی خود رو جنگل نہیں بلکہ یہ مالی کا لگایا ہوا آراستہ باغ ہے اور انسان اس باغ کا سب سے اعلیٰ پھول ہے، یہ گل سرسبد جو ہزاروں بہاروں کا سرمایہ ہے بے مقصد نہیں کہ مل دل کر رہ جائے، انسان کے جوہر انسانیت کی اس کے خلاق کے سوا کوئی قیمت نہیں لگا سکتا اس کے اندر وہ لامحدود طلب وہ بلند ہمت وہ بلند پرواز روح اور وہ مضطرب دل ہے کہ ساری دنیا مل کر اس کی تسکین نہیں کر سکتی اور یہ سمیت عناصر دنیا اس کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ اس کے لئے غیر فانی زندگی اور ایک لامحدود دنیا درکار ہے جس کے سامنے یہ زندگی ایک قطرہ اور یہ دنیا بازیچۂ اطفال ہے وہاں کی راحت کے سامنے یہاں کی راحت اور وہاں کی تکلیف کے سامنے یہاں کی کوئی تکلیف حقیقت نہیں رکھتی۔

اسی لئے انسانیت کا فطری تقاضہ خدائے واحد کی عبادت اسی کی

خود شناسی رضائے الٰہی کی طلب اور اس کی زندگی اس کے لیے جد وجہد ہے۔ انسان کو کسی روح، کسی مخفی و فرضی طاقت، کسی درخت اور پتھر، کسی قسم کی دھات اور جمادات، کسی مال و دولت، کسی جاہ وعزت، کسی طاقت و قوت اور کسی روحانیت و عظمت کے سامنے بندوں کی طرح جھکنے اور سبزہ کی طرح پامال ہونے کی ضرورت نہیں، وہ صرف ایک بلندی کے سامنے سب سے زیادہ پست اور سب پستیوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ بلند ہے وہ سارے عالم کا مخدوم اور ایک ذات کا خادم ہے۔ اس کے سامنے فرشتوں کو سجدہ کرا کر اور اس کو اللہ کے سوا ہر ایک کے سجدہ سے منع کر کے ثابت کر دیا کہ کائنات کی طاقتیں جن کے فرشتے امین ہیں اس کے سامنے سرنگوں اور سربسجود ہیں اور اس کا سر اس کے جواب میں اللہ کے سامنے جھکا ہوا ہے۔

دنیا کا ذہن اتنا شل ہو چکا تھا کہ وہ مادیات و محسوسات اور جسم اور پیٹ کے حدود سے باہر آسانی سے کام نہیں کر سکتا تھا۔ لوگوں کا ذہن اتنا اتھلا ہو چکا تھا کہ وہ کسی انسان سے متعلق گہرا اور بلند تصور قائم ہی نہیں کر سکتا تھا۔ انہوں نے کچھ پیمانے بنا رکھے تھے، ہر نئے شخص کو اسی پیمانے سے ناپتے تھے۔ زندگی کی جو چھوٹی چھوٹی بلندیاں بن چکی تھیں ہر بلند انسان کو انہیں کے سامنے لا کر دیکھتے تھے انہوں نے بڑے غور وفکر اور ذہانت سے کام لیا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کے آگے نہ سوچ سکے کہ یا تو وہ مال و دولت کے یا سرداری و بادشاہت کے یا عیش و عشرت کے طالب ہیں، انصاف کیجیے تو اس وقت تک دنیا کا تجربہ اس سے زیادہ اور کیا تھا اور اس نے اپنے زمانہ کے

ندوں اور شہبازوں کی اس سے بلند پرواز کب دیکھی تھی؟ انہوں نے آپ
ت میں ایک وفد بھیجا یہ دراصل اس عصر کے ذہن و دماغ اور نفسیات کی
ندگی اور اس نے جو کچھ کہا وہ زمانہ کے احساسات کی صحیح ترجمانی تھی۔ رسول اللہ
اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا وہ نبوت کی صحیح نمائندگی اور اُمّتِ مسلمہ
یقت کا اصلی اظہار تھا۔ آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ ان میں سے کسی چیز کے طالب نہیں، آپ
چیز کے داعی ہیں وہ انکی ان بلند چیزوں سے اس سے بھی زیادہ اونچی ہے جتنا آسمان
ں زمین سے۔ آپ اپنی ذاتی راحت اور ترقی کے لئے فکر مند نہیں بلکہ نوع انسانی
ں نجات اور اس کی راحت کے لئے بے چین ہیں۔ آپ اس دنیا میں اپنے لئے
وئی مصنوعی جنت بنانے کے خواہشمند نہیں بلکہ جنت سے نکالے ہوئے انسان
و حقیقی جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل کرنا چاہتے ہیں آپ اپنی سرداری کے
لئے کوشاں نہیں بلکہ تمام انسانوں کو انسان کی غلامی سے نکال کر بادشاہِ حقیقی
کی غلامی میں داخل کرنا چاہتے ہیں اسی بنیاد پر یہ اُمّت بنی اور یہی پیغام لے کر
وہ تمام دنیا میں پھیل گئی، اس کے سفیروں نے جو اپنے اندر دعوت کی سچی روح
اور اسلام کی صحیح زندگی رکھتے تھے، کسریٰ اور قیصر کے بھرے دربار میں صاف
کہدیا کہ ہم کو اللہ نے اس کام کے لئے مقرر کیا ہے کہ ہم اس کے بندوں کو بندوں
کی بندگی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں، دنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی وسعت
میں اور مذاہب کی ناانصافی سے نکال کر اسلام کے انصاف میں داخل کریں۔ ان
کو جب اپنے اصولوں پر حکومت قائم کرنے اور چلانے کا موقع ملا تو وہ جو کچھ کہتے
تھے اور جس کی دوسروں کو دعوت دیتے تھے اس کو جاری کر کے دکھا دیا، ان

کی معیاری حکومت کے زمانہ میں کسی انسان کی بندگی نہیں ہوتی تھی، بلکہ اللہ کی بندگی ہوتی تھی، کسی انسان یا جماعت کا حکم نہیں چلتا تھا بلکہ اللہ کا حکم چلتا تھا ان کا حاکم جس کو وہ خلیفہ کہتے تھے۔ معمولی سی انسانی تحقیر پر کہہ اٹھتا تھا کہ لوگ ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے تھے تم نے ان کو کب سے غلام بنا لیا۔ ان کا بڑے سے بڑا حاکم بڑے بڑے بادشاہوں کے دارالسلطنت میں اس شان سے رہتا تھا کہ لوگ اس کو مزدور سمجھ کر اس کے سر پر بوجھ رکھ دیتے تھے اور وہ اس کو ان کے گھر پہنچا آتا تھا۔ ان کا دولتمند سے دولتمند انسان اس طرح زندگی گزارتا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس زندگی اور اس کی راحت کو راحت ہی نہیں سمجھتا۔ اس کی نظر کسی اور زندگی پر اور اس کو طلب کسی اور راحت کی ہے۔

اس امت کا وجود دنیا کے ہر گوشہ میں مادی حقیقتوں اور جسمانی لذتوں کے علاوہ ایک بالکل دوسری حقیقت کے وجود کا اعلان تھا۔ اس کا ہر فرد پیدا ہو کر اور مر کر بھی اس حقیقت کا اعلان کرتا تھا کہ دنیا کی طاقتوں سے بڑی ایک دوسری طاقت ہے اور اس زندگی سے زیادہ حقیقی دوسری زندگی ہے وہ دنیا میں آتا تھا تو اس کے کان میں اسی حق کی اذان دی جاتی تھی مرتا تھا تو اسی شہادت و مظاہرہ کے ساتھ اس کو رخصت کیا جاتا تھا، جب اس دنیا پر بے حسی اور موت کا سکوت طاری ہو جاتا اور شہر کی ساری آبادی معاش کی جدوجہد میں سرتاپا غرق ہو جاتی اور دنیا میں مادی ضرورتوں کے علاوہ کوئی اور ضرورت اور محسوس حقیقتوں کے علاوہ کوئی اور حقیقت جیتی نظر نہ آتی، اس کی وہی اذان اس طلسم کو توڑ دیتی اور اس کا اعلان کرتی کہ نہیں جسم اور پیٹ سے زیادہ ایک دوسری

روشن حقیقت ہے، اور وہی کامیابی کی راہ ہے۔ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح بازار کا شور اس نعرۂ حق کے سامنے دب جاتا اور سب حقیقتیں اس حقیقت کے سامنے ماند پڑ جاتیں اور اللہ کے بندے اس آواز پر دیوانہ وار دوڑ پڑتے جب رات کو پورا شہر میٹھی نیند سوتا تھا اور یہ جیتی جاگتی دنیا ایک وسیع قبرستان ہوتی دفعتہً موت کی اس بستی میں زندگی کا چشمہ اس طرح ابلتا جس طرح رات کی سیاہی میں صبح کی سپیدی نمودار ہو اور الصلوٰۃ خیر من النوم سے اونگھتی سوتی انسانیت کو تازگی اور زندگی کا نیا پیغام ملتا۔ جب کسی طاقت و سلطنت کا کوئی فریب خوردہ انا ربکم الاعلیٰ اور مالکم من الٰہ غیری کا نعرہ لگاتا تو ایک غریب مؤذن اسی کی مملکت کی بلندیوں سے اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ کر اس کے دعوئے خدائی کا تمسخر اڑاتا اور اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہہ کر حقیقی بادشاہ کی بادشاہت کا اعلان کرتا اس طرح دنیا کا مزاج بے اعتدالی سے اور اس کا دماغ بہکنے سے محفوظ رہتا۔

مادی زندگی کا کوئی شمہ مومن کے دم سے قائم نہیں، وہ اگر کسی ملک سے چلا جائے تو اس کی ظاہری زندگی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا دنیا جس طرح کھاتی کماتی ہے۔ کھاتی کماتی رہے گی۔ انسان جسطرح جیتے مرتے ہیں۔ جیتے مرتے رہیں گے، مگر یاد رہے کہ زندگی کی روح نکل جائے گی اور وہ ایک بے جان جسم ہو کر رہ جائے گی۔ عقل کے اس بت کدہ میں جہاں خود پرستی اور شکم پرستی کے سوا کچھ نہیں، وہی ایک مجذوب ہے جس کے عشق و مستی سے اس عالم میں گرمی و ہنگامہ ہے وہ اگر نکل جائے تو دنیا صرف تجارت کی منڈی اور زندگی فقط ناؤ نوش ہے، زندگی کے اس "گمان آباد" میں وہی ایک صاحبِ یقین ہے جس کا یقین ٹوٹے ہارے دلوں کا سہارا اور

ناکامی وناامیدی کے سمندر میں ڈوبنے والوں کے لئے کنارہ ہے۔ خود غرضی و خود مطلبی کے اس بازار میں وہی ایک صاحبِ ایثار ہے جو اپنی جان پر کھیل جاتا ہے اور اپنا سرمایہ دوسروں کے لئے لٹا دیتا ہے۔ بے حس انسانوں کی دنیا میں جو سینہ میں دل کی جگہ پتھر کے سل رکھتے ہیں وہی ایک صاحبِ محبت ہے جو سارے جہان کا درد اپنے جگر میں رکھتا ہے اور اپنے سوز سے خود ہی جلتا اور پگھلتا رہتا ہے۔ ہر زمانہ میں فقر پر امارت کو، گدائی پر بادشاہی کو، آخرت پر دنیا کو، اُدھار پر نقد کو، غیب پر شہود کو، ایمان پر جان کو قربان کرنے کی اسی میں سب سے زیادہ ہمت ہے۔

اس پر کسی ملک کا احسان نہیں کہ اس نے اس کو مہمان بنایا اور رہنے کو جگہ دی، اس کا ہر ملک پر احسان ہے کہ اس نے اس کو توحید خالص کا پیغام سنایا، انسان دوستی اور عدل ومساوات کا سبق پڑھایا، انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے نکالا، غریب امیر اور نچ پنچ کو ساتھ بیٹھنا سکھایا، عورت کو اس کا حصہ دلایا اور اس کے ساتھ انصاف کرنا سکھایا، انسانیت کا احترام کرنا بتایا، زندگی کا زیادہ بامعنیٰ انسانیت کا زیادہ بلند اور دنیا کا زیادہ وسیع تصور بخشا، نسل پرستی، دولت پرستی، شاہ پرستی سے نجات دی۔ ترک دنیا، تجرد، نسل کشی، آدم بیزاری ---- ، ہزاروں برس کے اوہام ومفروضات کا طلسم توڑا، عقل کو بندھنوں سے آزاد کیا، علم پر سے پابندیاں ہٹائیں، دین پر سے نسلی وخاندانی اجارہ داری کو ختم کیا، ذاتی عمل اور کوشش کی اہمیت واضح کی، آج دنیا علم وعقل کی جس منزل پر ہے کون نہیں جانتا کہ یہ اسی کی جگر سوزی کا نتیجہ ہے جو کبھی انسانیت کا قافلہ سالار تھا، آج یورپ علم وعقل میں دنیا کا استاد بنا ہوا ہے کون نہیں جانتا کہ اہل اندلس کی نگاہ نے صدیوں اس

کی تربیت کی ہے اور حیوانات کی سطح سے اس کو بلند کیا ہے آج ہندوستان میں عدل و مساوات انسانیت اور عالم گیر ہمدردی کے لفظ بڑے عام ہیں کون انکار کر سکتا ہے کہ بڑی مشکل سے یہ لفظ رائج ہوئے ہیں اور ذہن ان کے مفہوم سے آشنا ہوئے ہیں!

مسلمان کسی قوم و نسل اور اسلام کسی رسم و رواج اور کسی ترکہ و میراث کا نام نہیں، وہ ایک دعوت و پیام اور ایک سیرت و زندگی ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کی نظر مادیات و محسوسات اور جسم و جان سے تعلق رکھنے والی محدود دنیا سے زیادہ وسیع ہو اس کی ہمت شکم پُری اور تن پوشی کی سطح سے بلند ہو، اس کا گھر ایک وطن کی چار دیواری سے زیادہ وسیع ہو اسکا دل انسانیت کے احترام سے معمور اس کی ہمدردی قوم و نسل کے حدود اور ملک و وطن کے قیود سے آزاد ہو، اس کی تگ و دو اور پرواز موت ہی تک نہ ہو اس کا مطلب ہے کہ اس کے پاس جسم کے ساتھ قلب و روح کی تسکین کا بھی سامان ہے، اس کے پاس وہ ایمانی طاقت اور اخلاقی تعلیم ہے جو اندھیرے اجالے، مجمع اور تنہائی، فقیری اور بادشاہی، بے بسی اور اختیار مطلق میں پابند قانون رکھ سکتی ہے، اس کے پاس ظن و تخمین و قیاسات و تجربات کے بجائے علم کی پختہ بنیادیں اور محکم اصول ہیں جو ہر زمانہ اور ہر ملک میں جاری ہو سکتے ہیں، اس کے پاس مختلف الحال انسانوں اور مختلف زمانوں کی رہنمائی کے لئے ایسی جامع اور مکمل ہستی کی محفوظ زندگی ہے، جس کے علم و عمل کا سرچشمہ قیاس و تجربہ اور جذبات و خواہشات نہ تھے، جو ہر زمانہ کو معتدل زندگی، متوازن تمدن اور جامع انسانیت کا پیغام دے سکتی ہے، ظاہر ہے کہ دنیا کو اپنی ترقی و تنزل کے ہر دور میں اور ملک کو

ہر انقلاب میں اس کا وجود مبارک ہے جو اس پیغام کی حامل اور ان صفات سے متصف ہو ایسی جماعت کا وجود کسی حصۂ زمین میں بھی کسی کی رعایت اور احسان نہیں بلکہ خالق کائنات کا عین منشار اور زندگی کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

جب رات کی تاریکی دن کی روشنی کو چھپا لیتی ہے جب ہوا و ہوس کا لشکر ہر طرف سے امنڈ آتا ہے، جب ایک انسان اپنے پیٹ کی خاطر اپنے بھائی کا گلا کاٹنے لگتا ہے۔ جب قومیں اپنی انانیت اور تکبّر میں کمزور قوموں کو ہضم کرنے لگتی ہیں۔ جب دولت کا بُت علانیہ پجنے لگتا ہے جب وطن اور قوم کی دیوی پر انسان بھینٹ چڑھنے لگتا ہے، جب انسان اپنی قوت و دولت کے نشہ میں خدائی کا دعوے کرنے لگتا ہے۔ جب ذخیرہ اندوزی اور نفع بازی کی مصیبت سے انسان دانہ دانہ کو ترسنے لگتا ہے۔ جب نفس کی آگ بھڑکتی ہے اور دل کی روشنی بجھتی ہے۔ جب موت کا خیال دل سے بالکل نکل جاتا ہے جب زندگی کے بازار میں ذی روح انسان کی قیمت گر جاتی ہے اور بے جان دھاتوں اور جمادات کی قیمت چڑھ جاتی ہے، جب عریانی و بے حیائی گناہ و معصیت کا دنیا پر دور دورہ ہوتا ہے اور وہ "علم وفن" بن جاتے ہیں جب اغراض و خواہشات کے سوا دنیا میں کسی کی حکومت نہیں معلوم ہوتی اور تمام دنیا میں فساد پھیل جاتا ہے تو روحِ کائنات اس مردِ خدا کو آواز دیتی ہے۔ ع

خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

مردِ خدا کا یقین

۲

یقین دنیا کی بہت بڑی طاقت ہے جب
بھی کوئی مردِ خدا کسی بات پر پہاڑ کی طرح جم
گیا اور اس نے حالات کے سامنے سپر ڈالنے
سے انکار کر دیا۔ اور اپنے یقین کا رشتہ
مضبوط ہاتھوں سے تھام لیا تو زمانے کے بہتے
ہوئے دھارے کا منہ پھر گیا اور مبصروں
کے اندازے غلط نکل گئے۔ اسلامی تاریخ
میں اس طرح کی مثالیں جابجا ملتی ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہِ الکریم

مردِ خدا کا یقین

کون نہیں جانتا کہ یقین دنیا کی بہت بڑی طاقت ہے، ایک شخص کے یقین نے بعض اوقات ہزاروں لاکھوں انسانوں کے شک وتذبذب پر فتح پائی ہے، جب کبھی کوئی مردِ خدا کسی بات پر پہاڑ کی طرح جم گیا ہے اور اس نے حالات کے سامنے سپر ڈالنے سے انکار کر دیا ہے اور اپنے یقین کا رشتہ مضبوط ہاتھوں سے تھام لیا ہے تو زمانہ کے بہتے ہوئے دھارے کا منھ پھر گیا ہے بڑے بڑے دوربینوں اور مبصّروں کے اندازے غلط نکل گئے ہیں اور ان کی پیشین گوئیاں جھوٹی ثابت ہوئی ہیں اور اس شخص کا یقین آفتاب کی طرح شکوک واوہام کے بادلوں اور خطرات اور اندیشوں کے کہر میں سے نمودار ہوا ہے۔

تاریخ میں اس یقین اور اس کی فتحیابی کی عجیب عجیب مثالیں ملتی ہیں۔

آسمانی صحیفوں اور انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں نے بھی اس کے بہت سے
عجائبات پیش کئے ہیں جن کو پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے اور وہ یقین وایمان
کا ایک معجزہ معلوم ہوتا ہے خیال فرمائیے حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو مصر سے
لے کر جا رہے ہیں۔ بحر احمر کی خاکنائے کو عبور کر کے جزیرہ نمائے سینا پہنچنا
چاہتے ہیں مگر اللہ کو کچھ اور منظور ہے وہ راہ غلط کرتے ہیں اور حق یہ ہے کہ یہی
وہ سیدھا راستہ تھا جو اللہ کو منظور تھا، صبح کا تڑکا ہوتا ہے تو کیا دیکھتے ہیں کہ
بجائے شمال میں جانے کے وہ مشرق کی طرف چلتے رہے ہیں اور اب بحر احمر
(قلزم) کے کنارے کھڑے ہیں اور سمندر اپنی پوری طغیانیوں کے ساتھ بہہ رہا
ہے، دفعتہً کان میں آواز آتی ہے وہ آگئے! حضرت موسیٰؑ مڑ کر دیکھتے ہیں تو
فرعون اپنے لشکر کے ساتھ سر پر آیا چاہتا ہے، بنی اسرائیل چیختے ہیں کہ موسیٰ ہم
نے تمہارا کیا قصور کیا تھا کہ تم نے چوہوں کی طرح ہمارے مارنے کا انتظام
کیا، کیا ہمارے ہلاک ہونے میں کوئی کسر باقی ہے۔ اِنَّا لَمُدۡرَكُوۡنَ ہم تو
پکڑے گئے، تصور کیجئے وہ کون سا پہاڑ ہے جو اس موقع پر ڈگمگا نہ جائے،
کونسی طاقت ہے جو ایسی کھلی ہوئی حقیقت کے سامنے ہار نہ مان لے لیکن پیغمبر
کا یقین کھلے ہوئے مشاہدات اور عریاں حقائق پر بھی غالب آتا ہے ان کے
نزدیک آنکھیں دھوکہ دے سکتی ہیں کان غلط سن سکتے ہیں حواس خطا کر سکتے
ہیں مگر اللہ کی بات غلط نہیں ہو سکتی اور اس کا وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا حضرت
موسیٰؑ نے پورے اطمینان اور یقین کے ساتھ جواب دیا كَلَّا اِنَّ مَعِيَ رَبِّيۡ
سَيَهۡدِيۡنِ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے ضرور راستہ

پر لگائے گا اور منزل پر پہنچائے گا، اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ سب جانتے ہیں۔

دوسری مثال لیجیے مکہ معظمہ میں مسلمان قریش کے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، ہر مسلمان کی جان خطرے میں ہے صبح ہوتی ہے تو شام کا بھروسہ نہیں اور شام ہوتی ہے تو صبح کا یقین نہیں، اسلام کا بظاہر دنیا میں کوئی مستقبل نہیں معلوم ہوتا جو دن گزر رہا ہے غنیمت معلوم ہوتا ہے ایسی حالت میں ایک مظلوم غریب مسلمان خبّاب بن الارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ آپؐ بیت اللہ کے سایہ میں بیٹھے ہیں، خبّاب عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ پانی سر سے اونچا ہو گیا اب تو آپؐ اللہ سے ہمارے لئے دعا کیجئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جوش آجاتا ہے سنبھل کر بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بس خبّاب گھبرا گئے، پہلی اُمتّوں میں تو یہ ہوا ہے کہ مومن کو گڑھا کھود کر گاڑ دیا گیا ہے اور سر پر آرہ رکھ کر چلایا گیا ہے یہاں تک کہ اس کے بدن کے دو ٹکڑے ہو کر گر گئے ہیں اور لوہے کی کنگھیوں سے اس کے گوشت کو ہڈیوں سے جدا کر دیا گیا ہے پھر بھی وہ اپنے دین سے نہیں پھرتا تھا: خدا کی قسم اللہ اپنے دین کو مکمل کر کے رہے گا۔ یہاں تک کہ (اس دین کی عمومیت اور اس کے غلبہ کا) یہ حال ہو گا کہ سوار صنعار سے حضر موت تک (سیکڑوں میل کی مسافت) چلا جائے گا اور اس کو اللہ کے سوا کسی کا کھٹکا نہیں ہو گا سوائے اس کے کہ اس کو بھیڑیے سے خطرہ ہو کہ وہ اس کی بکریوں پر حملہ کرے لیکن تم جلدی بہت کرتے ہو (بخاری)

خیال فرمائیے عرب کی اس وقت کی بدامنی وخونریزی، غارت گری اور

پھر اسلام کی مغلوبیت اور کمزوری کو دیکھتے ہوئے ایسی بعید از قیاس پیشین گوئی اس شخص کے سوا کون کر سکتا ہے جس کو نبوّت کا یقین حاصل ہو!

دوسرا موقع اس سے کچھ کم نہیں، حالت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ مدینہ جا رہے ہیں، کمزوری اور غربت کا یہ حال ہے کہ مکّہ جیسا عزیز وطن چھوڑنا پڑ رہا ہے اور راستہ کا بھی اطمینان نہیں پیچھے سے قریش کی دوڑ آ رہی ہے۔ آخر یہ واقعہ پیش آگیا، سراقہ بن جعشم تیز رفتار گھوڑے پر پورے ہتھیار لگائے سر پر پہنچ گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے گھبرا کر کہا یا رسول اللہ دوڑ آ گئی۔ فرمایا۔ گھبراؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے، آپ نے دعا فرمائی اور گھوڑا گھٹنوں گھٹنوں زمین میں دھنس گیا سراقہ نے کہا کہ یا محمدؐ دعا کیجیے میں اس مصیبت سے چھوٹ جاؤں میرا ذمّہ ہے کہ تعاقب کرنے والوں کو واپس کر دوں گا، آپؐ نے دعا فرمائی گھوڑا نکل آیا، سراقہ نے پھر تعاقب کا ارادہ کیا پھر وہی واقعہ پیش آیا، پھر اس نے درخواست کی، اس مرتبہ نکل کر اس نے اپنے اونٹوں کی پیش کش کی، فرمایا ہمیں تمہارے اونٹوں کی ضرورت نہیں۔ جب جانے لگا تو کہا سراقہ وہ کیا وقت ہو گا جب تمہارے ہاتھ میں کسریٰ کے کنگن ہوں گے سراقہ غریب کی سمجھ میں نہ آیا کہ کبھی ایسا وقت آسکتا ہے کہ شہنشاہ ایران کے کنگن ایک غریب اعرابی کے ہاتھ میں ہوں، اس نے بڑی بے ساختگی سے پوچھا کیا کسریٰ ابن حرمز کے کنگن؟ فرمایا ہاں! فرمائیے ایسی کمزوری اور بے بسی کی حالت میں وہ کون سی نگاہ ہو سکتی ہے جو عرب کے ایک بدو کے ہاتھ میں شہنشاہ ایران کے کنگن دیکھتی ہے اور اس کی زبان اس کی پیشین گوئی کرتی ہے، کیا ظاہری حالات کے لحاظ سے اس کا

کوئی امکان پایا جاتا ہے؟ یہی نگاہ نبوّت ہے جو مستقبل کے افق پر دھندلے دھندلے ستارے دیکھ لیتی ہے اور جس کو ظاہری قیاسات اور واقعات کے خلاف پورے یقین کے ساتھ ایک واقعہ کی اطلاع دینے میں کوئی جھجھک محسوس نہیں ہوتی!

اب مدینہ آیئے، مدینہ کے گرد خندق کھودی جارہی ہے، اللہ کا رسول خود کھودنے میں مشغول ہے ایک پتھر ایسا آجاتا ہے جس پر کدالیں اور پھاوڑے کام نہیں کرتے، صحابہؓ حضورؐ سے عرض کرتے ہیں آپؐ تشریف لے جاتے ہیں، حالت یہ ہے کہ پیٹ پر دو دو پتھر بندھے ہوئے ہیں، کدال مارتے ہیں تو پتھر دو ٹکڑے ہو جاتا ہے اور اس سے ایک چمک نکلتی ہے ارشاد ہوتا ہے کہ اس روشنی میں میں نے ایران کا سفید محل اور شام کا زرد محل دیکھا ہے تم ان محلوں کو فتح کروگے، تصور کیجئے یہ وہ کہہ رہا ہے جس کے گھر میں کھانے کے لئے بھی نہیں ہے ایسے موقع پر کہہ رہا ہے کہ اسلام کا وجود اور مسلمانوں کی ہستی خطرہ میں ہے عرب کے قبائل مدینہ پر چڑھائی کر رہے ہیں اور موت وزندگی کا سوال ہے مگر پیغمبرانہ یقین کی روشنی ایسی ہی اندھیروں میں چمکتی ہے۔

پیغمبروں کے بعد دنیا کی تاریخ میں یقین کی جو سب سے بڑی مثال ملتی ہے وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ہے اور اسی یقین واستقامت اور اتباع میں ان کی صدیقیت کا راز پنہاں ہے ان کے واقعات بتلاتے ہیں کہ وہ صدیق اکبر کے لقب کے پورے مستحق ہیں اور اہل بصیرت کا یہ کہنا بالکل حق ہے کہ ابوبکر پیغمبر نہیں تھے مگر کام انہوں نے پیغمبروں کا سا کیا اور انہیں کی سی استقامت

اور پختگی دکھائی۔

صورت یہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے سارے عرب میں ارتداد کی آگ پھیل گئی ہے، خزاں میں جس طرح پتے جھڑیں اور ٹوٹی تسبیح کے دانے بکھریں اسی طرح قبائل اسلام سے نکلتے جارہے تھے، ایک ایک دن میں بیسیوں قبیلوں کے ارتداد کی خبر آتی تھی، یمن، حضرموت، بحرین، نجد کے تمام علاقے مرتد ہو گئے، اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ قریش اور ثقیف صرف دو قبیلے اسلام پر قائم رہ گئے، یہودیت اور نصرانیت نے جو عرب سے جلاوطن ہو گئی تھیں سر اٹھایا، نفاق نے جو پہلے سوسائٹی کا ایک جرم اور پوشیدہ عیب تھا، نقاب الٹ دی اور لوگوں نے کھل کر شک و نفاق کی باتیں کرنی شروع کر دیں، مسلمانوں کی ہوا سارے عرب سے اکھڑ گئی اور ان کے دشمن شیر ہو گئے۔ عرب مورخین نے بڑی بلاغت کے ساتھ اس وقت کے مسلمانوں کی بے بسی اور درماندگی کی تصویر کھینچی ہے وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی اس وقت وہ کیفیت ہو گئی تھی جیسے بارش کی رات میں بھیڑوں کی ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے باڑہ میں دبک جاتی ہیں اور سردی سے ٹھٹھرنے لگتی ہیں۔

عین اس حالت میں یقین اور اطاعت و فدویت کی ایک عجیب و غریب مثال سامنے آتی ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا کی تاریخ قاصر ہے، حضرت اسامہ کا لشکر جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجنے کے لئے تیار کیا تھا اور آپ کی وفات کی وجہ سے اس کا سفر ملتوی ہو گیا تھا تیار ہے۔ اس لشکر میں مہاجرین و انصار کے بڑے بڑے سردار اور میدان جنگ کے آزمودہ کار

سپاہی ہیں۔ خود حضرت عمرؓ بھی حضرت اسامہؓ کی ماتحتی میں ہیں، یہ اس وقت کے مسلمانوں کی سب سے بڑی فوجی طاقت تھی، عقل و مصلحت شناسی کا فتویٰ کیا تھا، اور جس کو سیاست کہتے ہیں اس کا فرمان ناطق کیا تھا؟ یہی کہ لشکر مدینہ میں ٹھہرے اور حملہ آوروں سے جن کا صبح و شام خطرہ تھا، مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرے اس لئے کہ اس وقت اسلام کی بقا مدینہ پر منحصر ہے لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ سے عرض کیا کہ اس وقت اس لشکر کا مدینہ سے باہر جانا کسی طرح مناسب نہیں، حملہ آوروں اور دشمنوں کی نگاہیں مدینہ پر ہیں اس لشکر کے کوچ کرتے ہی مدینہ پر حملہ ہو جائے گا، اس مشورے میں مدینہ کے تمام عقلاء شریک تھے لیکن بارگاہِ نبوّت کا مجذوب جس کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء پورا کرنا اور آپ کے ارادے کو عمل میں لانا ہی سب سے بڑی عقلمندی اور سیاست ہے۔ صاف جواب دیتا ہے کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں ابو بکر کی جان ہے اگر مجھے اس کا بھی یقین ہو جائے کہ جنگل کے درندے مجھے اٹھا لے جائیں گے تب بھی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء مبارک پورا کرونگا اور اسامہ کا لشکر بھیج کر رہوں گا۔ آپ نے تقریر کی، جہاد کے لئے تیار کیا اور حکم دے دیا کہ جو لوگ لشکر اسامہ میں داخل ہیں وہ اس کی قیام گاہ جرف میں پہنچ جائیں، چنانچہ لشکر اپنے مقام پر پہنچ گیا، حضرت ابو بکرؓ نے ان چند گنے چنے آدمیوں کو روک لیا جو ہجرت کر کے آئے تھے، اور اُن کو اپنے قبائل کی حفاظت کے لئے مقرر کر دیا۔ جب لشکر کے سب آدمی جمع ہو گئے تو امیر لشکر حضرت اسامہؓ نے حضرت عمرؓ کو حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں بھیجا کہ ان کی طرف سے دوبارہ عرض

کریں کہ لشکر کو واپس بلالیں، ان کے ساتھ تمام معززین صحابہ اور سرداران قبائل ہیں۔ لشکر کے کوچ کے بعد اس کا خطرہ ہے کہ دشمن خلیفۂ اسلام اور ازواج مطہرات تک پر دست درازی کریں اور مشرکین ان کو مدینہ سے اٹھالے جائیں، انصار کا پیغام یہ تھا کہ لشکر پر زیادہ سن رسیدہ اور تجربہ کار آدمی کو امیر بنایا جائے، اسامہؓ بہت نوعمر ہیں؛ حضرت عمرؓ نے اسامہ کا پیغام پہنچایا حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ اگر مجھے کتے اور بھیڑیے اٹھالے جائیں تو بھی میں لشکر ضرور روانہ کروں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس بات کا فیصلہ فرما گئے ہیں میں اس کو رد نہیں کرسکتا، اگر ساری بستیوں میں میں تنہا رہ جاؤں گا جب بھی اس فیصلہ پر عمل کروں گا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ انصار کا پیغام ہے کہ لشکر پر حضرت اسامہؓ سے زیادہ سن رسیدہ آدمی امیر مقرر کیا جائے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ جوش میں کھڑے ہوگئے اور حضرت عمرؓ کی داڑھی پکڑ کر کہا اللہ کے بندے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہؓ کو مقرر کریں اور تم مجھے مشورہ دو کہ میں ان کو معزول کردوں؟

اس گفتگو کے بعد حضرت ابوبکرؓ لشکر میں آئے اور ان کو رخصت کرنے کے لئے چلے، آپ پیدل تھے اور حضرت اسامہؓ سوار، انہوں نے عرض کیا کہ اے خلیفۂ رسولؐ آپ سوار ہوجائیں ورنہ میں اترتا ہوں، فرمایا نہ میں سوار ہوں گا، نہ تم اترو گے، اس میں کیا حرج ہے کہ میں گھڑی بھر اپنے قدم اللہ کے راستہ میں غبار آلود کرلوں، اس لئے کہ مجاہد کے ہر قدم پر سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں، سات سو درجے بلند ہوتے ہیں اور سات سو گناہ معاف ہوتے ہیں، جب واپس ہونے لگے تو حضرت اسامہؓ سے فرمایا کہ اگر تمہاری رائے ہو تو عمرؓ کو میری اعانت کیلئے

چھوڑ جاؤ، انہوں نے بخوشی اجازت دی، پھر آپ نے ان کو وصیت فرمائی کہ دیکھنا خیانت نہ کرنا، عہد شکنی، مال غنیمت میں چوری سے سخت اجتناب کرنا، کسی بچہ، بوڑھے اور عورت کو نہ مارنا، کھجور کے درخت کو اکھاڑنا نہ جلانا نہ کسی پھل دار درخت کو کاٹنا، نہ کسی کی بکری، گائے اونٹ کو ذبح کرنا، اور دیکھو کچھ ایسے آدمی بھی تم کو ملیں گے جو عبادت گاہوں میں گوشہ نشین ہوں گے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا، کچھ ایسے نظر آئیں گے جو چاند صاف کرتے ہیں اور اس کے گرداگرد چوٹیوں کی طرح بال بڑھاتے ہیں ذرا تلوار سے ان کو ہوشیار کر دینا، جاؤ اللہ کے نام پر روانہ ہو اور جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اس کو عمل میں لاؤ۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ اگر اس جگہ تاریخ میں خلا ہوتا اور عقل و قیاس کے قلم کو اس خلا کے پر کرنے کی اجازت دی جاتی تو وہ لکھ دیتا کہ یہ ایک بڑی خطرناک سیاسی غلطی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ مدینہ پر حملہ ہو گیا اور مرکزِ اسلام دشمنوں کے نرغہ میں آگیا، لیکن اللہ کی قدرت کہ ابوبکرؓ نے تو اپنے عشق اور کمال اتباع میں یہ کام کیا تھا اور ان کو یقین تھا کہ منشائے نبوت پورا کرنے میں کوئی خطرہ پیش نہیں آسکتا بلکہ خطرات کا علاج ہی یہی ہے اور قدرت الٰہی نے اس کی تصدیق کی۔

مورخین لکھتے ہیں کہ اس لشکر کے روانہ ہونے سے سارے عرب پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی، لوگ کہتے تھے کہ اگر مسلمانوں کے پاس طاقت نہ ہوتی تو اس لشکر کو حملہ کے لئے کیوں بھیجتے، چنانچہ جو لوگ ارادہ بد رکھتے تھے وہ چوکنے ہو گئے اور مدینہ پر حملہ کرنے کا خیال دل سے نکال دیا۔ مورخ ابن اثیر کے الفاظ ہیں وکان انفاذ جیش اسامۃ اعظم الامور نفعا للمسلمین

اسامہؓ کے لشکر کا روانہ ہونا مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ مفید ثابت ہوا۔[1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عزم راسخ کا ایک نمونہ دنیا دیکھ چکی تھی لیکن ابھی عشق ویقین، اور عقل مصلحت اندیش کا ایک معرکہ باقی تھا وفات نبوی کے متصل ہی عرب میں منع زکوٰۃ کا فتنہ پیدا ہوگیا اور وبا کی طرح سارے ملک میں پھیل گیا، عرب کے سارے قبائل کہنے لگے کہ ہمیں نماز، روزہ، حج سے انکار نہیں مگر ہم زکوٰۃ میں ایک جانور بھی نہیں دیں گے۔ ایک دو قبیلے ہوں تو خیر دو چار قبائل کو چھوڑ کر سارا ملک یہی کہہ رہا تھا، حضرت ابوبکرؓ کی نگاہ بصیرت نے دیکھ لیا کہ زکوٰۃ کا انکار ارتداد کا پیش خیمہ اور دین سے بغاوت کی زنجیر کی وہ کڑی ہے جس کیساتھ تمام کڑیاں پیوست ہیں، کفر وتحریف کا یہ دروازہ اگر کھلا تو قیامت تک بند نہیں ہو سکتا، آج زکوٰۃ کی باری ہے تو کل نماز کی اور پھر روزہ حج کا تو اللہ ہی حافظ ہے، مستقبل کا خطرہ اگر نہ بھی ہوتا تو بھی ابوبکرؓ کو یہ گوارا نہ تھا کہ دین کا جو مجموعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر گئے ہیں اور ابوبکرؓ اس کے متولی مقرر ہوئے ہیں کوئی نقص واقع ہو، اس موقع پر ان کی زبان سے بے ساختہ جو جملہ نکلا تاریخ نے بے کم وکاست محفوظ کر لیا ہے، وہ ان کے دلی جذبات دین سے تعلق اور ان کے مقام صدیقیت کا ترجمان ہے انہوں نے فرمایا اینقص الدین وانا حی (کیا ابوبکرؓ کی زندگی میں اللہ کے دین میں قطع وبرید ہوگی؟) انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ فتنہ کا یہ دروازہ بند کیا جائے گا، چاہے مسلمانوں کی لاشوں سے، اب سارا مدینہ ایک طرف تھا اور ابوبکر ایک طرف تھے، صحابہؓ کہتے تھے کہ

---

[1] واقعہ کی پوری تفصیل تاریخ الکامل ابن اثیر میں ملاحظہ ہو جلد دوم ص ۱۲۷-۱۲۸ مزید تفصیل کے لئے تاریخ طبری اور البدایہ والنہایہ ملاحظہ ہوں ۱۲

صرف ایک رکن کے ترک سے مانعین زکوٰۃ کے ساتھ مشرکین و کفّار کی طرح کس طرح قتال جائز ہے کچھ لوگ کہتے تھے کہ سارا عرب اس فتنہ میں مبتلا ہے کس کس سے جنگ کی جائے گی اس وقت تو یہی غنیمت ہے کہ ہم مدینہ میں رہ کر اللہ کی عبادت کرتے رہیں، لیکن حضرت ابوبکرؓ کہتے تھے کہ خدا کی قسم اگر ایک بکری کا بچّہ بھی جو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زکوٰۃ میں دیا کرتے تھے روک لیں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا، آخر کار ابوبکرؓ کا یقین اور جذبہ تمام شبہات و تردّدات پر غالب آیا اور سب نے ان کا ساتھ دیا، آپ نے مختلف سمتوں پر گیارہ فوجیں روانہ کیں، تین تو مستقل مدّعی نبوّت تھے جن کی سرکوبی کرنی تھی عرب کے تمام جنگ آزما اور سورما جنہوں نے بعد میں عراق و ایران فتح کیا ہے ان مدعیان نبوّت اور مرتدین کے ساتھ تھے اور عرب کی پوری جنگی قوت اور شجاعت اسلام کے مقابلہ میں میدان میں آگئی تھی بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اتنی بڑی جنگی طاقت اس سے پہلے کبھی اسلام کے مقابلہ میں نہیں آئی تھی۔

ادھر مدینہ خالی ہو گیا تھا، اس کی شہرت ہو گئی کہ مدینہ میں لڑنے والے تھوڑے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے مدینہ کی حفاظت کے لئے حضرت علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کو مقرر کیا اور اہل مدینہ کو مسجد نبوی میں حاضر رہنے کا پابند کر دیا اس لئے کہ یہ معلوم نہ تھا کہ دشمن کس وقت حملہ کر دیں گے تین ہی دن گزرنے پائے تھے کہ رات کو یکایک حملہ ہو گیا، محافظ دستہ نے حملہ آوروں کو روکا اور ابوبکرؓ کو اطلاع دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اہل مسجد کو اطلاع کی اور دشمن کو پیچھے

دھکیلتے ہوئے ذی حسی تک پہنچا دیا، وہاں انہوں نے مشکیزوں میں ہوا بھر کر رسیوں سے باندھ رکھا تھا ان کو انہوں نے زمین پر اس طرح گھسیٹا کہ مسلمانوں کے اونٹ اس طرح بدکے کہ مدینہ پہنچ کر دم لیا، مرتدین کو مسلمانوں کی کمزوری کا احساس ہوا اور انہوں نے اپنے بڑے مرکز ذی القصہ میں اس کی اطلاع کی اور وہاں سے نئے حملہ آور آ گئے حضرت ابوبکرؓ رات بھر جنگ کی تیاری کرتے رہے اور صبح ہی اچانک کھلے میدان میں دشمن کے سر پر پہنچ گئے اور ان کو تلواروں پر رکھ لیا، سورج نکلتے نکلتے دشمن کے قدم اکھڑ گئے حضرت ابوبکرؓ نے ذی القصہ تک ان کا تعاقب کیا، اس فتح سے ارتداد کی طاقت پر اچھی ضرب پڑی لیکن قبیلۂ عبس و ذبیان نے اپنے اپنے قبیلوں کے مسلمانوں کو چن چن کر قتل کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے قسم کھائی کہ وہ مسلمانوں کا پورا بدلہ لیں گے اور جتنے مسلمان شہید ہوئے ہیں ان سے زائد مشرکین کو قتل کریں گے، اس عرصہ میں مدینہ طیبہ میں زکوٰۃ کے جانور پہنچے اُدھر حضرت اسامہؓ کا لشکر چالیس دن کی غیر حاضری کے بعد واپس ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو مدینہ میں اپنا جانشین بنایا اور ان کے لشکر کو آرام کرنے کا حکم دیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر باہر نکلے مسلمانوں نے ان کو اللہ کا واسطہ دیا کہ وہ مدینہ ہی میں رہیں، انہوں نے فرمایا میں مسلمانوں کے ساتھ پوری مساوات کا سلوک کروں گا اب یہ آرام کریں گے اور میں جاؤں گا، چنانچہ مدینہ سے نکل کر دور تک دشمن کو ہزیمت دیتے چلے گئے اور مسلمانوں کا رعب قائم ہو گیا۔

حضرت ابوبکرؓ کے یقین اور جوش نے مسلمانوں میں جو جذبۂ جہاد اور

سرفروشی کی روح پیدا کر دی تھی اس کا اندازہ کرنے کے لئے بیسیوں معرکوں میں سے صرف یمامہ کی جنگ کے حالات کافی ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس جذبہ اور روح کے بغیر ارتداد کا فتنۂ عالم آشوب اور قبائل عرب کی نسلی عصبیت اور بدوی شجاعت کا مقابلہ (جس نے کچھ ہی عرصہ بعد ایران وشام کی فوجوں کے چھکّے چھڑا دیئے) ممکن ہی نہ تھا غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس قالب میں ابوبکرؓ کا یقین اور ان کا جذبہ کار فرما تھا۔

یمامہ نجد میں واقع ہے یہ قبیلہ بنی حنیفہ کا مرکز تھا، بنی حنیفہ جو ربیعہ کی ایک شاخ ہے اور قریش میں جو مُضر کی ایک شاخ ہے جاہلیت میں سخت ترین عداوت اور موروثی دشمنی اور عصبیت تھی اسی قبیلہ میں مسیلمہ نے نبوّت کا دعویٰ کیا اور کچھ لوگوں کو اپنی شعبدہ بازیوں سے اور زیادہ تر خاندانی عصبیت وحمیّت کی بنیاد پر اور قریش کی دینی مرکزیت اور سیاسی طاقت کو توڑنے کے لئے اپنا ہمنوا بنا لیا، حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالدؓ کو مسیلمہ کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا اور مہاجرین وانصار اور اکابر صحابہؓ کی ایک بڑی جمعیت کو ان کے ساتھ کیا، بنوحنیفہ نے یمامہ کو اپنی چھاؤنی بنایا تھا، ان کے لشکر میں چالیس ہزار لڑنے والے تھے، جنگ سے پہلے بنوحنیفہ کے مقرّر نے نہایت پرجوش تقریر کی اور سارے قبیلہ کو مرنے مارنے پر آمادہ کر دیا، مہاجرین کا جھنڈا سالم مولیٰ ابی حذیفہ کے پاس تھا اور انصار کا جھنڈا ثابت بن قیس کے پاس لوگوں نے سالم سے کہا کہ ہمیں تمہاری طرف سے خطرہ ہے انہوں نے فرمایا پھر میں حافظ قرآن کیسا تف ہے مجھ پر، دوسرے قبیلے اپنے اپنے جھنڈوں کے نیچے تھے، لڑائی شروع

ہوئی اور اتنی سخت ہوئی کہ مورخ ابن اثیر کہتا ہے کہ اس سے پہلے مسلمانوں کو اس سے سخت جنگ کبھی پیش نہیں آئی تھی یہاں تک کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، مسلمانوں نے ایک دوسرے کو للکارا کہ کہاں جاتے ہو، انصار کے علم بردار ثابت نے کہا مسلمانو! پیچھے ہٹنے کا تم نے بُرا دروازہ کھولا ہے اے اللہ میں بنو حنیفہ (مرتدین) کے عمل سے بیزار ہوں اور مسلمانوں کے عمل سے معذرت خواہ ہوں یہ کہہ کر آگے بڑھے اور شہید ہو گئے۔ حضرت زیدؓ بن الخطاب نے جو حضرت عمرؓ کے بھائی تھے مسلمانوں کو آواز دی کہ نگاہیں نیچی کر لو دانتوں کو دبا لو اور دشمن کے قلب میں گھس جاؤ اور مارتے ہوئے بڑھے چلو، حضرت ابو حذیفہؓ نے کہا کہ اے قرآن والو آج اپنے عمل سے قرآن کو آراستہ کر دو۔ حضرت خالدؓ نے زور کا حملہ کیا اور دشمن کو بہت پیچھے دھکیل دیا، اب گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی، بنو حنیفہ اپنے ایک ایک قبیلہ کا نام لے کر جوش پیدا کر رہے تھے اور گھٹنے ٹیک کر لڑ رہے تھے، لڑائی کا یہ طور تھا کہ کبھی مسلمانوں کا پلّہ بھاری معلوم ہوتا تھا کبھی مرتدین کا، اسی عرصہ میں سالمؓ مولی ابی حذیفہؓ و زید بن الخطابؓ کام آ گئے، حضرت خالدؓ نے لڑائی کا یہ رنگ دیکھا تو کہا لوگو ذرا الگ الگ ہو جاؤ تاکہ ہم کو ہر قبیلہ کی شجاعت اور سر فروشی کا اندازہ ہو اور اس کا پتہ چلے کہ ہمارا کون سا بازو کمزور ہے جس سے ہم کو نقصان پہنچ رہا ہے چنانچہ قبیلے قبیلے جدا ہو گئے اور لوگوں نے کہا کہ اب فرار سے شرم آنی چاہیئے۔ اس کے بعد سخت خونریز معرکہ ہوا اور میدان لاشوں سے پٹ گیا زیادہ تر مہاجرین و انصار اس معرکہ میں کام آئے۔ مسیلمہ ایک جگہ جما کھڑا تھا اور اس کے گرد لڑائی کی چکّی چل رہی تھی حضرت

کہ ہم کفر پر تھے، ہمارے مقتول ناری اور تمہارے مقتول شہید ہیں جو جو کچھ میدان جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا وہ مال غنیمت ہے اور ان کے ہاتھ سے جو مسلمان شہید ہوئے ان کی دیت (خون بہا) دی جائے گی اور جو مرتدین کے ہاتھ آیا ہے وہ مسلمانوں کو واپس کیا جائے گا اور جواب بھی ارتداد پر باقی رہنا چاہتے ہیں وہ عرب کی سرزمین چھوڑ دیں اور جہاں سینگ سمائے چلے جائیں۔

اس فتنۂ ارتداد کا خاتمہ حضرت ابوبکرؓ کا وہ کارنامہ ہے جس کی نظیر سے امتوں کی تاریخ خالی ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا حق ادا کر دیا۔ آج دنیا میں اگر اسلام محفوظ ہے اور اس کی شریعت بے کم وکاست موجود ہے۔ تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ارواحنا فداہ) کے بعد حضرت ابوبکرؓ ہی کی استقامت، عزیمت، اور جدوجہد کا نتیجہ ہے، آج روئے زمین پر جہاں کہیں اسلام کا کوئی رکن ادا ہو رہا ہے، کوئی اسلامی شعار بلند ہے اور کہیں دین پر عمل ہو رہا ہے اس میں حضرت ابوبکرؓ کا حصہ ہے، آج نماز کی ہر رکعت زکوٰۃ کا ہر پیسہ، روزہ کی ہر گھڑی، حج کے ہر رکن کے ثواب میں حضرت ابوبکرؓ کا حصہ ہے، اس لئے کہ اگر زکوٰۃ کے بارہ میں ڈھیل دی جاتی اور فتنۂ ارتداد کے ساتھ روا داری برتی جاتی تو نہ نماز رہتی نہ روزہ، نہ حج اور جب تک یہ دین دنیا میں باقی ہے (اور وہ... قیامت تک باقی ہے) حضرت ابوبکرؓ کو اس امت کے اعمال کا اجر ملتا رہے گا، رضی اللہ عن ابی بکرؓ وارضاہ۔

اور یہ عزیمت واستقامت حضرت ابوبکرؓ کے اس یقین کا نتیجہ تھا جو ان کو مشکوٰۃ نبوّت اور مرکز ایمان ویقین سے ملا تھا اور جس کی بنا پر وہ صدیق اکبرؓ کہلاتے ہیں جس کی بدولت انہوں نے دین کی گرتی ہوئی عمارت کو تھام لیا۔ اور اس کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو اپنی ہمت اور قوّت سے پار لگا دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم پر ایک ایسا وقت آیا تھا اگر اللہ تعالیٰ بروقت ابوبکرؓ کو کھڑا نہ کر دیتا تو ہماری ہلاکت میں کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی تھی ہم نے اس پر اتفاق کر لیا تھا کہ اونٹ کے بچّے (زکوٰۃ کے جانور) کے بارہ میں ہم جنگ نہیں کریں گے اور مدینہ میں رہ کر اللہ کی عبادت جو کچھ بن پڑے گی کرتے رہیں گے یہاں تک کہ ہمارا وقت آجائے لیکن ابوبکرؓ اڑ گئے اور مرتدین کی ذلت وخواری اور ان کے فتنہ کے سدّباب سے کم کسی چیز پر رضامند نہیں ہوئے۔

لیکن اس یقین کے سلسلہ میں یاد رہے کہ جو یقین کسی ضد یا نفسانیت کی بنا پر ہوتا ہے یا کسی انسانی طاقت یا بیرونی امداد کے بھروسہ پر ہوتا ہے اور اس کا سرچشمہ ایمان، عمل صالح، اعتماد علی اللہ نہ ہو، بلکہ مادی اسباب، سیاسی تدبیر اور جوڑ توڑ ہو، اس کا انجام بعض اوقات بہت خراب ہوتا ہے۔ واقعات بتلاتے ہیں کہ ایسا یقین دنیا میں بڑی بڑی تباہیاں لایا ہے اور پوری پوری قومیں ایک جھوٹے یقین اور ایک شخص کی ضد اور نامعقول اڑ پر قربان ہو گئی ہیں۔ اس یقین کے لئے جس کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے ضروری ہے کہ:۔

(۱) وہ خالص اللہ کے اعتماد پر ہو مخلوق کے کسی وعدہ یا کسی امید پر نہ ہو۔

(۲) مشورہ وتدبیر میں کمی نہ کی جائے۔ پھر بصیرت ایمانی جو کچھ فیصلہ کرے اس پر مضبوطی سے قائم ہوجایا جائے۔

(۳) صاحب یقین ایمان واخلاص کی دولت سے مالا مال اور عمل صالح سے متصف ہو اور اللہ تعالیٰ سے بندگی کا خصوصی تعلق رکھتا ہو۔

(۴) اس کی بنیاد حق اور صداقت ہو، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا مقدمہ جعلی اور کمزور نہ ہو۔

ان صفات کے بعد وہ پیش آئے گا جس کا وعدہ اس آیت میں کیا گیا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ۔

(آج عالم اسلام پر جو مصائب آرہے ہیں، اور دین کا ایوان جس طرح تزلزل میں ہے مسلمانوں کے حوصلے جس طرح پست اور ان کی طبیعتیں جس طرح افسردہ ہوتی جارہی ہیں اور وہ اسلام کے مستقبل سے گویا ناامید ہوتے جارہے ہیں، یاس وناامیدی کے الفاظ جس طرح زبانوں اور قلم پر آنے لگے ہیں اس میں اسی یقین کی ضرورت ہے، جو گرتے ہوئے دلوں کو تھام لے، بجھتی ہوئی طبیعتوں کو گرما دے اور سوتی ہوئی ہمتوں کو جگا دے، خیال فرمائیے فتنہ ارتداد کی اس صورت حال اور موجودہ صورت حال میں کتنا بڑا فرق ہے مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نے نیم جان اور بے حال کر دیا تھا ہر شخص یتیمی کی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ وہ عزیز ترین ہستی جو زخموں کا مرہم اور

دلوں کی ڈھارس تھی اور جس کو اپنے میں پاکر تمام مصیبت فراموش اور ہر غم غلط ہو جاتا تھا اور جس کے چہرے کو دیکھ کر نازک دل عورت جس کو باپ بھائی، بیٹے، شوہر کی شہادت کا تازہ تازہ داغ لگا تھا پکار اٹھتی تھی کل مصیبتہ بعدک جلل یارسول اللہ، آپ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت ہیچ ہے یارسول اللہؐ وہ ان کے درمیان سے اٹھ جاتی ہے اور اس کے اٹھتے ہی ہر طرف سے نرغہ ہوتا ہے اسلام کی وہ پونجی اور راس المال جو اس کا اصل سرمایہ تھا یعنی عرب اور قبائلِ عرب وہ ان کے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے، اسلام جو عرب کے گوشہ گوشہ میں پھیل گیا تھا سمٹ کر صرف مدینہ، مکہ اور طائف میں محصور ہو جاتا ہے، دشمنوں کی مرکزِ اسلام (مدینہ) پر بھی نگاہیں ہیں اور صبح شام حملہ کا خطرہ ہے، دائیں بائیں کی ایرانی اور رومی شہنشاہیاں بھی تاک میں ہیں ان سے چھیڑ چھاڑ شروع ہو چکی ہے۔ قرآن مجید سینوں میں ہے۔ اس کی تعلیم کی ابھی عالمگیر اشاعت بھی نہیں ہوئی۔ اسلام کی ساری متاع ایک سفینہ پر ہے اور وہ سفینہ تلاطم میں ہے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں ابوبکرؓ کی روح پاک پر اور ان کے وفادار اور سرفروش رفیقوں پر کہ نہ ان پر ناامیدی کا غلبہ ہوا نہ ان کے حوصلے پست ہوئے نہ ہمّت شکست، انہوں نے ایک طرف رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری خواہش اور منشار کی تکمیل کی، دوسری طرف سارے جزیرہ نمائے عرب کی پھیلی ہوئی ارتداد کی آگ کو بجھایا، پھر ایسے وقت میں دنیا کی دو عظیم ترین سلطنتوں پر حملہ کر دیا وہ اسلامی فوجیں جو مرتدین سے جہاد کر کے بیٹھنے نہ پائی تھیں عراق وشام کی ان سلطنتوں کے سر پر پہنچ گئیں جن کے وسائل وذخائر غیر محدود اور جن کی مملکت ان کے خیال

سے زیادہ وسیع تھی اور پھر جب تک عراق سے لے کر ہندوستان تک اور عرب کی شمالی سرحد سے آبنائے طارق اور آبنائے باسفورس تک سارا میدان کانٹوں سے صاف نہیں کر دیا چین سے نہیں بیٹھے، یہاں تک کہ ایشیا میں چین چھوڑ کر تمام متمدن ممالک، افریقہ کا سارا آباد اور متمدن علاقہ اور یورپ کا ایک حصہ اسلام کا زیرنگیں ہوگیا۔

لیکن اس وقت کے مقابلہ میں آج دنیا کا نقشہ کچھ اور ہی ہے اس وقت مسلمان صرف مدینہ، مکّہ اور طائف میں رہ گئے تھے لیکن آج دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جہاں اسلام کے نام لیوا موجود نہ ہوں اس وقت مسلمانوں کی تعداد ہزاروں سے زیادہ نہ تھی لیکن آج وہ اسّی کروڑ سے بھی متجاوز ہیں، اس وقت تین شہروں کو چھوڑ کر اور کہیں مسلمانوں کو حاکمانہ اقتدار حاصل نہ تھا لیکن آج ان کی بیسیوں حکومتیں موجود ہیں اور لاکھوں مربع میل زمین ان کے زیر اقتدار ہے اس وقت مشکل سے ایسے مسلمان موجود تھے جنہیں اطمینان کے ساتھ دونوں وقت کھانا میسّر تھا لیکن آج شاید ہی کوئی ایسا ہو جو بھوکوں مر رہا ہو، اس وقت ہزاروں کی دولت رکھنے والے مسلمان بھی انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے لیکن آج کروڑوں کی مالیت رکھنے والوں کی تعداد بھی ہزاروں سے متجاوز ہے۔ آج نہ یاس کا موقع ہے نہ ہراس کا، ضرورت صرف اسکی ہے کہ اللہ کے بندے بن جائیں اپنے آپ کو ایمان ویقین اور عمل صالح سے آراستہ کریں، اگر ہم نے ایسا کر لیا تو تمام خطرات اور شبہات یقین کی حرارت اور عمل کی قوت کے سامنے اس طرح ناپید ہو جائیں گے جس طرح صبح کا کہُر اور رات کی شبنم سورج کی گرمی کے سامنے ناپید ہو جاتی ہے۔

نیا خون

۳

(۱) امتِ مسلمہ کا سدابہار درخت ہمیشہ نئی نئی پتّیاں اور ہری بھری ڈالیں پیدا کرتا رہا اور لباس بدلتا رہا۔ باغ باغ کے پھول اور چمن چمن کے شگوفے اس امّت کے گلدستہ میں نظر آتے ہیں اور اپنی بہار دکھاتے ہیں، اس کے اندر ساری قوموں کا وزن اور تمام نسلوں کا ست ہے وہ انسانیت کا جوہر اور انسانی طاقتوں کا سب سے بڑا خزانہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

نیا خون

کوئی جسم اس وقت تک تندرست و توانا نہیں رہ سکتا جب تک اس میں نئے اور صاف خون کی تولید نہ ہوتی رہتی ہو، کوئی درخت اس وقت تک شاداب نہیں رہ سکتا جب تک اس میں نئی نئی پتیاں اور کونپلیں نہ نکلتی رہتی ہوں، امت مسلمہ بھی ایک جسم ہے جس کو ہر دور میں نئے خون کی ضرورت ہے، اس درخت کو بھی ہر موسم میں ہری بھری شاخوں اور نئی نئی پتیوں کی ضرورت ہے۔

امت مسلمہ کا سدابہار درخت ہمیشہ نئی نئی پتیاں اور ہری بھری ڈالیں پیدا کرتا رہا اور لباس بدلتا رہا، دماغی صلاحیتوں، سماجی قوت و نشاط، خاندانی و نسلی جوہر و صفات، آبائی شرافت، فطری مردانگی و شجاعت کے بڑے بڑے ذخیرے جو اپنی اپنی جگہ صدیوں سے جمع ہو رہے تھے اور حقیر حقیر چیزوں اور

پست مقاصد میں ضائع ہو رہے تھے اسلام کے ذریعہ اس امت کی طرف منتقل ہوتے رہے اور اسلام کے کام آتے رہے، باغ باغ کے پھول اور چمن چمن کے شگوفے اس امت کے گلدستہ میں نظر آتے ہیں اور اپنی بہار دکھاتے ہیں کوئی ایران کا ہے کوئی خراسان کا، کوئی یمن کا ہے کوئی بدختاں کا، کوئی مصر کا ہے کوئی اصفہان کا، ہر ایک اپنا خاص رنگ اور اپنے ملک اور قوم کا اور اپنی نسل وخاندان کا اصلی جوہر جو دوسرے ملک و قوم میں نایاب یا کمیاب تھے اپنے ساتھ لایا اور اسلام کی نذر کیا، اس طرح انسانیت کے چمن کے بہترین پھول اور پھل اسلام کے لئے ڈالی میں لگ کر آئے، اب اسلام صرف نسل عرب اور ان میں سے بھی تنہا خاندان بنی عدنان کے موروثی صفات و کمالات کا مالک نہ تھا بلکہ پوری دنیا کی دماغی صلاحیتوں فطری شرافتوں اور قومی خصوصیتوں کا سرمایہ رکھتا تھا، اس لئے کوئی ایک قوم یا نسل خواہ وہ کتنی ہی فائق ہو دماغی یا جسمانی حیثیت سے اس کے ساتھ ایک ترازو میں تل نہیں سکتی تھی، اس کے اندر ساری قوموں کا وزن اور اس کے جسم میں دنیا کی تمام نسلوں کا ست آگیا تھا وہ انسانیت کا جوہر تھا اور نوع انسانی کی طاقتوں کا سب سے بڑا خزانہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نسل و قومیت کے پرستاروں اور اپنی قوم کو خدا کی منتخب قوم سمجھنے والوں کے بالکل برخلاف اس حقیقت کا اعلان فرمایا ہے کہ خدا کی بخششیں اور جسم و دماغ، عقل و ادراک فہم و فراست، شرافت و نجابت اور جواں مردی و شجاعت کے فطری عطیے کسی قوم و نسل کے ساتھ مخصوص نہیں، فطرت کا یہ سرمایہ نوع انسانی میں بہت پھیلا ہوا ہے، ذہانت و

ذکاوت، مروت و شرافت، فتوت و شجاعت، خدا کی مخلوق میں پوری فیاضی سے تقسیم ہوئی ہے اس پر کسی ایک قوم یا خاندان کا اجارہ نہیں۔ جس طرح سونے چاندی کی کانیں دنیا کے بہت سے ملکوں میں پائی جاتی ہیں اور یہ انسانوں کے بس کی بات نہیں کہ ان کو اپنے محبوب وطن اور اپنے مقدس ملک کے ساتھ مخصوص کر دیں، اسی طرح جوہر انسانیت کی کانیں اور انسانی صفات و کمالات کے دفینے بہت ملکوں میں پائے جاتے ہیں الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ انسان بھی اعلیٰ صفات اور قابلیتوں کی کانیں ہیں جیسے سونے چاندی کی کانیں ہوتی ہیں، ویسی ہی قدیم جو ہزاروں برس سے چلی آرہی ہیں ویسی ہی فطری جس میں انسان کی صفت کو دخل نہیں، ویسی ہی بھرپور اور بیش قیمت جو پورے پورے ملک اور انسانی حدبندیوں سے بے نیاز ہیں، ویسی ہی مخفی جو بغیر خدمت و محنت اور تہذیب و تنظیم کے مٹی میں ملی ہوئی ہیں، ویسی ہی کھری اور اصلی، اپنی قیمت اپنے ساتھ رکھنے والی، جو ہر بازار اور ہر صرافہ میں موتیوں کے تول تلیں اور سونے کے مول بکیں۔ اس میں نہ عقیدہ کا اختلاف حارج ہے نہ مذہب و ملت کا فرق، سونا سونا ہے اگرچہ کافر کے ہاتھ میں ہو یا مومن کے ہاتھ میں، ہیرے کے دام ایک ہیں۔ اگرچہ جوہری میلا کچیلا اور بد اخلاق ہے یا صاف ستھرا اور مہذب، گوہر شب چراغ بڑھیا کے جھونپڑے اور بادشاہ کے محل دونوں کو روشن کر سکتا ہے۔

فخیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام جو جاہلیت میں اپنے ذہن و ذکاوت اور فہم و فراست میں ممتاز تھا وہ اسلام میں بھی ان چیزوں میں ممتاز رہے گا جو جاہلیت میں حمیت و غیرت اور قوت و شجاعت میں امتیاز

رکھتا تھا۔ اسلام میں بھی ان کمالات میں ممتاز رہے گا اور میدان جہاد میں دوسروں سے سبقت لے جائے گا، البتہ اس کی ضرورت ہے کہ جاہلیت کی ان صفات میں اسلام توازن واعتدال اور نظم وتہذیب پیدا کردے، سونا بہرحال سونا ہے لیکن بازار میں جانے سے پہلے ضرورت ہے کہ اس کو مٹی سے صاف کرکے اور گڑھ کر اور چمکا کر اس کو زیور بنانے کے کام کا بنا دیا جائے خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا فی الدین جو ان میں سے جاہلیت میں سب سے بہترین تھے اسلام میں بھی سب سے بہتر رہیں گے بشرطیکہ انہیں دین میں درجہ فقاہت (جس کا لازمی نتیجہ اعتدال وتہذیب واشیاء کا صحیح تناسب معلوم ہوتا ہے) حاصل ہو جائے۔

اسلام کی ابتدائی تاریخ اس حکمت نبوی کی پوری تصدیق کرتی ہے، سیدنا ابوبکرؓ اسلام سے پہلے بھی سچائی، نرم دلی، معاملہ فہمی اور اپنی سلامت روی میں ممتاز تھے، اسلام نے اُن اوصاف کو اور چمکایا اور ان کو صدیق بنا دیا آنکھوں میں نمی اور دل میں محبت کی گرمی پہلے سے موجود تھی، رسول اللہ کی محبوبیت نے اسی محبت کو ٹھکانے لگا دیا، پروانہ حیران تھا اور اس کو اپنی حیرانی کی خود خبر نہ تھی شمع نے اس کو نثار ہونا اور جلنا سکھا دیا، حضرت عمرؓ دلیر تھے، بیباک تھے، طبیعت کے جری اور ارادہ کے قوی تھے پورے مکہ کو اس کا علم تھا، لیکن اس شجاعت ودلیری کو کوئی بڑا میدان نہیں ملتا تھا، اسلام کو ایک دلیر کی ضرورت تھی جو کفار کے بیچ میں اللہ کی یکتائی اور رسول اللہؐ کی رسالت کا اعلان کرے۔ عمرؓ کی فطری دلیری کو ایک شایانِ شان میدان کی

ضرورت تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مقبول اور اللہ کی توفیق نے ان دونوں میں رشتہ قائم کر دیا۔ عمرؓ اسلام میں آئے تھے تو اپنی شجاعت و دلیری اپنے ساتھ لائے تھے، اسلام نے اس کا اعتراف کیا، رسول اللہؐ نے اس کی قدر کی اور اس کو اپنی اصلی جگہ بتائی، حضرت عمرؓ نے اس کو ٹھیک جگہ پر صرف کر کے روم وایران کی شہنشاہیوں کو اسلام کے قدموں پر جھکا دیا، وہ جاہلیت میں شجاع و دلیر تھے اسلام میں بھی شجاع و دلیر تھے اور ایسا ہی ہونا چاہیئے خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام' اسی بنا پر جب فتنہ' ارتداد کے موقع پر انہوں نے مانعین زکوٰۃ سے جہاد کرنے میں احتیاط کا مشورہ دیا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اجبار فی الجاھلیۃ وخوار فی الاسلام جاہلیت میں اتنے زور دار تھے اسلام میں اتنے کمزور ہو لیکن یہ ایک عارضی صورت تھی، وہ فطرت کی نمود نہ تھی تربیت واحتیاط کی نمود تھی بہت جلد عمرؓ اپنی فطرت اصلی پر آگئے اور پھر کسی نے ان میں کمزوری نہ دیکھی، حضرت خالدؓ فطری سپہ سالار تھے اور جنگ کے فن میں مجتہدانہ درجہ رکھتے تھے، ان کی قائدانہ قابلیت حاضر دماغی اور سوجھ بوجھ ہر جگہ اپنا کام کرتی تھی، میدان احد میں ان کی موقع شناسی اور ذہانت نے میدان جنگ میں نقشہ بدل دیا، وہ اسلام میں آئے تو اپنی جنگی قابلیتوں فطری مناسبتوں اور میدانی تجربوں کو لے کر آئے اسلام نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا، رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیف اللہ کا خطاب دے کر ان کے اس کمال کا رتبہ بلند کیا اور اسلام نے قریش کے مقامی قائد کو دنیا کی سب سے بڑی فاتح سپاہ کا قائد اور یرموک کا فاتح بنا دیا، عکرمہؓ بن ابی جہل کو عربی نخوت خون میں اور ضد وانکار نامور باپ کی میراث میں ملا تھا، پہلے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور اسلام کے مقابلہ میں صرف ہوتا تھا جب زندگی کا رخ بدلا تو اس کا میدان بھی بدل گیا۔ یرموک کے میدان میں جب بڑے بڑے شیروں کے پاؤں اکھڑنے لگے اور دشمن کا ریلا آیا تو انہوں نے للکار کر کہا کہ عقل کے دشمنو! میں تو وہ ہوں جو اس وقت تک رسول کے مقابلہ سے پیچھے نہیں ہٹا جب تک حق سمجھ میں نہیں آیا کیا اب اسلام کے بعد تمہارے مقابلہ سے منہ موڑوں گا یہ کہہ کر آگے بڑھے اور جان دے دی جاہلیت کا اڑ جانے والا اور پہاڑ کی طرح جم جانے والا انسان نئے حریف کے مقابلہ میں بھی پہاڑ کی طرح جما رہا، سلمانؓ فارسی، عبداللہؓ بن سلام تعلیم یافتہ قوموں کے افراد تھے جو علمی وکتابی باتوں اور اصطلاحات سے آشنا تھے، جب اسلام میں آئے تو اسی علمی مناسبت کے ساتھ آئے اور دین کے بہت سے علمی حصوں کے سمجھنے میں ان کو دوسروں سے زیادہ آسانی ہوئی، یہ ہزاروں مثالوں میں سے فطری صلاحیتوں کے تسلسل وتاثیر کی چند مثالیں ہیں۔

بعثت کے وقت ایران وروم، مصر وہندوستان اپنے خاص ذہنی ونسلی امتیازات رکھتے تھے، کفر وشرک کے یہ معنی نہیں کہ یہ شاداب ومردم خیز ملک ہر صلاحیت سے محروم اور ہر کمال سے تہی دامن تھے، ایران نظم ونسق کی قابلیت اور تجربہ میں امتیاز رکھتا تھا فنون لطیفہ کی ترقی نے اس میں ایک نزاکت اور لطافت پیدا کر دی تھی، ایرانی عالموں اور مصنفوں اور نوشیروان عادل کی علمی سرپرستی اور تراجم نے اس میں علمی مذاق پیدا کر دیا تھا، ساسانیوں کی طویل سلطنت نے اس کو ملکی تنظیم، زمینوں کے بندوبست اور مالیات کا تجربہ بخشا تھا بازنطینی جو یونان وروم دونوں کے علمی وتہذیبی وسیاسی ترکہ کے وارث تھے علمی انداز فکر ترتیب

ذہن اور عسکری زندگی میں ممتاز تھے، مصری کاشتکاری اور تجارت کا وسیع تجربہ رکھتے تھے، اور ان میں مذہبی شغف اور اس کے لئے قربانی کا ایسا جذبہ تھا کہ انہوں نے روسی سلطنت کے بتوفیشی مذہب اور اس کے جبر واستبداد کا برسوں مقابلہ کیا تھا۔

ہندوستانی اپنی حسابی قابلیت مالی انتظام اور وفاداری میں ممتاز تھے، مسلمانوں نے ان سب ملکوں کے انسانی خزانوں سے پوری فراخ دلی سے فائدہ اٹھایا اور اُن کے امتیازات وکمالات کو اسلام کے راستہ سے اپنے کام میں لگایا، ایرانی ورومی نومسلموں نے یا نومسلم خاندانوں کے فرزندوں نے اپنی ذہانت سے علم کی ترقی اور فقہ کی تدوین میں حصہ لیا سلطنت میں دفتری نظم ونسق قائم کرنے اور مالیات کے شعبوں کے بندوبست میں مدد دی اور تجربہ کار منتظم فراہم کئے، مصریوں نے زمینوں کی کاشت کی اور تجارت وصنعت کو فروغ دیا۔

ہندوستان نے بصرہ وبغداد کو امانت دار۔ اور تجربہ کار محاسب، خازن اور منیب دیئے، تیسری صدی کے نصف میں جاحظ نے لکھا ہے کہ عراق کے بڑے بڑے شہروں میں بڑے تاجروں اور دولت مندوں کے منشی اور منیب عموماً سندھی ہیں، اس طرح ان قوموں کی قابلیتیں اور تجربے اسلام کی طرف منتقل ہو کر اسلام کی قوت اور مسلمانوں کی اعانت کا سبب بنے، اگر عرب اپنی قوم میں ان فنون کو پیدا کرنے کے درپے ہوتے اور اس کا انتظار کرتے اور اسلام ان کے لئے ایسے تیار شدہ آدمی فراہم نہ کر دیتا تو اس میں بڑا وقت لگتا اور پھر بھی اس میں شبہہ ہے کہ ان کو ایسے کامل الفن اتنی جلدی ہاتھ لگتے۔

اسلام کا پیغام ایک ابدی پیغام ہے جو کسی نسل و قوم کے ساتھ مخصوص نہیں، قومیں اور نسلیں اس کے لئے لباس کی حیثیت رکھتی ہیں، جب ایک لباس بوسیدہ اور ناکارہ ہوجاتا ہے تو وہ ایک نیا ملبوس زیب بدن کر لیتا ہے۔ دنیا کی کوئی قوم، کوئی نسل اور کوئی خاندان ایسا نہیں جس میں نمو اور شادابی ہمیشہ رہے اور جس کی زندگی و توانائی یکساں طور پر قائم رہے قوموں اور نسلوں کی بھی ایک عمر طبعی ہوتی ہے ان کی جوانی اور بڑھاپا ہے اشخاص کی طرح قوموں اور سلطنتوں کا بڑھاپا دور نہیں ہوتا لیکن کبھی بعض نامعلوم اسباب کی بنا پر کسی قوم اور نسل میں اضمحلال اور تکان کے آثار وقت سے پہلے نمودار ہوجاتے ہیں، اس کی زندگی کے سوتے خشک ہوجاتے ہیں، نئے خون کی تولید بند ہوجاتی ہے اور اس کی ہر چیز سے بوسیدگی اور کمزوری ٹپکتی ہے، حالات کے مقابلہ کی قوت، حق کے راستہ میں جہاد و قربانی کی ہمت باہمی اتحاد الفت اور دشمن کے خلاف جوش وحمیت اور اس کی طبعی عداوت و نفرت جو زندگی کی علامتیں ہیں، مفقود ہوجاتی ہیں، اس وقت وہ وہ کسی ایسے کام اور پیغام کے لائق نہیں رہتی جو ہمت اور عزیمت اور قلبی، روحانی اور ذہنی قوت کا طالب ہے۔ اسلام کو ابتدائی زمانہ سے جب کبھی ایسی صورتِ حال سے سابقہ پڑا، اور اسلام کے علمبرداروں میں جب ناکارگی اور میدان سے فرار کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں، فوراً اللہ تعالےٰ نے اس کی خدمت کیلئے ایک تازہ دم جوان ہمت قوم کو آمادہ کر دیا جس نے اس کا گرتا ہوا علم سنبھال لیا۔ اس قوم یا جماعت میں ایمانی زندگی کی سب علامتیں پائی جاتی تھیں یحبّھم و یحبونہ اذلة علی المؤمنین اعزة علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ لا یخافون

لومۃ لآئم۔ اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے اہل ایمان کے حق میں نرم کافروں پر سخت ہیں اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ درحقیقت لباس کی تبدیلی تھی۔ عالمگیر اور زندۂ جاوید اسلام اس کے لئے مجبور نہیں ہے کہ وہ ایک بوسیدہ اور ناکارہ لباس ہی میں ملبوس رہے اور چیتھڑے ہی بدن پر لگائے رہے ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما ویضع بہ آخرین (مسلم) اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن) کے ذریعہ بہت سے لوگوں کو رفعت دیتا ہے اور (جو اس کو چھوڑ دیں) گراتا ہے۔

جب اسلام کے ابتدائی حاملین عربوں میں ضعف و اضمحلال پیدا ہوا، اسلام سے بے تعلقی اور جہاد و سرفروشی میں انحطاط اور دنیا میں انہماک ظاہر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی خدمت اور اسلام کا علم جہاد بلند کرنے کے لئے عجمی نسلوں کے افراد اور جدید الاسلام خاندانوں کے فرزندوں کو تیار کر دیا، جو اسلامی حمیّت، جذبۂ جہاد، شوقِ شہادت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے عشق میں صحیح النسب سادات و شیوخ سے بڑھے ہوئے تھے، جب یورپ سے صلیبی حملہ آوروں کی یلغار ہوئی اور فلسطین و شام اور عربی ممالک بالعموم خطرے میں پڑ گئے، گستاخ اور شوخ نگاہیں حرم نبوی کی طرف بھی اٹھیں اور بیباک اور ناپاک زبانوں نے گستاخانہ کلمات نکالے تو اسلام کی عزت بچانے اور ناموس رسول کی حفاظت کے لئے جو جواں مرد میدان میں آئے ان میں سے ایک زنگی تھا اور ایک کرد (روحی فداہما) سلطان نور الدین شہید اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے نہ صرف اسلام کی عزت بچالی بلکہ یورپ پر اسلام کی دھاک بٹھا دی، گستاخ

پرمن کو اپنے ہاتھ سے قتل کرتے ہوئے سلطان نے ایمان و عشق میں ڈوبے ہوئے جو کلمات کہے (الیوم انتصر المحمد صلے اللہ علیہ وسلم (آج میں اپنے ہاتھوں سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقام لیتا ہوں۔) وہ ایک بڑے سے بڑے ہاشمی، صدیقی، فاروقی کے لئے بھی طرۂ افتخار اور وسیلۂ نجات ہیں۔ آج کون ہاشمی ہے جو اس پر سو جان سے قربان نہ ہو جس نے بارگاہِ رسالت کی شان میں بے ادبی کرنے والے کو عشق و محبت میں مخمور ہو کر بھرپور ہاتھ سے قتل کیا کون ہے جو اپنے ایمان کو اس کرد کے ایمان کے ساتھ تلوانے کے لئے تیار ہو جس کے بزرگ چند ہی پشت اوپر کردستان کی جہالت و ظلمت میں گم ہو جاتے ہیں اور پھر ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ پھر جب عباسیوں کو اپنے عیش و عشرت سے فرصت نہ ہوئی تو اسلام کی شوکت و عظمت کی حفاظت کے لئے سلجوقیوں کو تیار کر دیا گیا جنہوں نے ایک صدی کے قریب یورپ میں علم جہاد بلند رکھا اور نظامیہ بغداد اور مدرسہ نیشاپور کے ذریعہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے دریا بہا دئے، پھر جب عبّاسیوں کے درخت اقبال کو گھن کھا گیا اور تاتاری حملہ نے اس کو جڑ سے اکھیڑ دیا تو جنہوں نے رسول اللہؐ کے چچا کے فرزندوں کا خون بہایا تھا وہ اس کے غلاموں کی صف میں داخل ہو گئے، یہ سب اسلام کے سدا بہار درخت کی نئی پتیاں اور شگوفے تھے جنہوں نے اس کی سرسبزی قائم رکھی، پھر جب مشرق کی تمام پرانی مسلمان قوموں پر عالمگیر اضمحلال طاری ہو گیا اور زندگی کی کوئی چنگاری کہیں باقی نہیں رہی تو اللہ تعالیٰ نے مغرب میں اسلام کا ایک شعلۂ جوالہ پیدا کیا جس نے صدیوں یورپ کی مرضی کے بالکل خلاف

اسلام کا علم بلند رکھا، یہ عثمانی حضرت عثمانؓ کی اولاد میں نہ تھے مگر قرآن کی خدمت واشاعت اور فتوحات کی وسعت میں ان کو حضرت عثمانؓ سے روحانی نسبت ہے۔

نومسلم قوموں اور نو مسلم خاندانوں اور لاکھوں کی تعداد میں ان مسلم افراد کو کہاں تک گنایا جا سکتا ہے جنہوں نے امّت مُسلمہ کے جسم میں صالح اور طاقتور خون پہنچایا جنہوں نے اپنی فکری صلاحیّت اور نسلی ذکاوت اور قومی شجاعت سے مسلمانوں میں کبھی اجتہاد اور کبھی جہاد کی روح پھونکی، اسلامی کتب خانہ میں گراں قدر اضافے کئے فکر و نظر کی نئی نئی راہیں نکالیں، قرآن مجید کی تفسیریں لکھیں، حدیث کی شرحیں کیں، فقہ کے مجموعے مرتب کئے۔ یہ نیشاپوری اور ابوالسعود ترکی کون ہیں جن کی تفسیریں حلقۂ درس کی زینت ہیں؟ یہ بیضاوی کے محشی شیخ زادہ اور سیالکوٹی کون ہیں؟ یہ حدیث کے خادموں میں زیلعی ابن الترکمانی کس نسل سے تعلق رکھتے ہیں؟ فقہ کا طالب علم مرغینانی صاحب ہدایہ اور تاتارخانی صاحب فتاویٰ کو کیسے بھول سکتا ہے۔ یہ سب کیا تھا اسلام کی علمی و ذہنی فتوحات اور امّت مُسلمہ کے جسم میں نئے اور تازہ خون کی تولید!

آخر آخر دور تک اسلام کی فتح و تسخیر کا کام جاری رہا اور اس خزانے میں نئے نئے سکّوں کی آمد ہوتی رہی ہمارے ملک ہندوستان میں جہاں اسلام کی تبلیغ اور تاثیر عرصہ دراز سے بہت کمزور ہے، اسلام خود ہی بہت سے جیتے جاگتے اشخاص، روشن دماغ اور گرم دل بلند نظر افراد کو کھینچتا رہا، اور اپنی محبت سے گھائل کرتا رہا جن کی نظیر افسردہ پژمردہ کم نگاہ و بے یقین مسلمانوں میں

نہیں ملتی انہوں نے مسلمانوں میں زندگی کی نئی روح پھونک دی ان میں اسلام کی صداقت پر تازہ یقین پیدا کر دیا، دماغوں کو اپنے علم سے روشن اور دلوں کو اپنے عشق کی حرارت سے گرما دیا، دور کیوں جایئے کتنے خاندانی مسلمان اس عشق کا دعویٰ کر سکتے ہیں جو عشق اقبال کو رسول اللہ سے ہے یہی عشق و تعلق ہے جو اس کی زبان سے یہ شعر نکلواتا ہے ؎

تو اگر بینی حسابم ناگزیر
از نگاہ مصطفےٰ پنہاں بگیر

اور یہ اشعار اس کی زبان پر آتے ہیں ؎

در دل مسلم مقام مصطفےٰ است — آبروئے ما ز نام مصطفےٰ است
خاک یثرب از دو عالم خوشتر است — اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

وہ کبھی وجد میں آکر کہنے لگتا ہے ؎

عجب کیا گر مہ و پرویں مرے نخچیر بن جائیں
کہ بر فتراک صاحب دولتے بستم سر خود را

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طاہا

اسی تعلق نے اس کو دانش فرنگ سے مسحور ہونے سے بچایا ؎

خیرہ نہ کرسکا مجھے جلوہ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ ونجف

دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ آخر زمانہ میں یہ حال ہوگیا تھا کہ مدینہ کا کسی نے نام لیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، کتنے قریشی وہاشمی اس برہمن زاد کے ذاتِ نبوی سے عشق وتعلق میں ہمسری کا دعویٰ کرسکتے ہیں؟

پھر اسلام کی صداقت اور رسول اللہ کی امامت پر ایسا غیر متزلزل یقین ہے کہ بجا طور پر ایک فلسفہ زدہ سیدزادہ کو خطاب کرکے کہتا ہے ؎

میں اصل کا خاص سومناتی — آبا مرے لاتی ومناتی
تو سید ہاشمی کی اولاد — میری کف خاک برہمن زاد
ہے فلسفہ میرے آب وگل میں — پوشیدہ ہے ریشہ ہائے دل میں
اقبال اگرچہ بے ہنر ہے، — اس کی رگ رگ سے باخبر ہے
دین مسلک زندگی کی تقویم — دین سر محمدؐ وابراہیم
دل در سخن محمدی بند — اے پور علی، زبو علی چند
چوں دیدۂ راہ بیں نہ داری — قائد قرشی بہ از بخاری

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ سپر خاندان کے ایک کشمیری برہمن زادہ کا کلام ہے اور کیا آج سادات وشیوخ کے نجیب الطرفین خاندانوں میں جن کے پاس اپنے خاندانی شجرے ہیں یہ یقین اور ایمان پایا جاتا ہے؟ ذلك فضل الله يؤتيه من يشآء۔

پھر اسلام کی حمیت وغیرت میں، روح اسلام کی ترجمانی میں، وقت کے

فتنوں اور جاہلیت فرنگ کی تشخیص اور قومیت و وطنیت سے نفرت اور تردید میں کتنے اصحاب علم وصلاح اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں ؟

ادھر پچھلے برسوں میں چند کتابیں صحیح اسلامی فکر اور مرغوب طرز تحریر واستدلال کا نمونہ پیش کرتی ہیں اور اسلام کی کامیاب ترجمانی کا فرض انجام دیتی ہیں۔ ان میں آسٹریا کے ایک یہودی النسل جرمن نومسلم محمد اسد کی انگریزی کتاب (ISLAM AT THE CROSS ROAD) بھی ہے یہ سب اسلام کی تازہ علمی و ذہنی واخلاقی فتوحات ہیں جو ہم کو مستقبل کی طرف سے ناامید ہونے سے باز رکھتی ہیں۔

لیکن عام طور پر مسلمانوں نے فتح وتسخیر کے ان میدانوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں ہیں جہاں سے ان کو ہمیشہ زندگی کا ابلتا اور جوش مارتا ہوا خون، تازہ دم دماغ دردمند و پرسوز دل اور متحرک اور برق وش جسم ملتے رہے، مسلمان روز بروز ان میدانوں سے مایوس ہوتے جا رہے ہیں اور قدیم میدانوں کے سوا کسی طرف توجہ نہیں کرتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کا راس المال اور اصل پونجی یہی ہے کہ اس کو کسی حال میں تلف نہیں ہونے دینا چاہیئے لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ جس سرمایہ میں اضافہ اور جس پونجی میں نئی آمد نہ ہو وہ ایک دن ختم ہو جائیگی۔ ہمیں اس سرمایہ میں اضافہ اور نئی آمدنی کے اسباب ووسائل پر غور ضرور کرتے رہنا چاہیئے، پرانے خاندانوں اور نسلوں میں افسردگی اور بوسیدگی اور اسلام کی دوبارہ ترقی اور عروج سے ناامیدی بڑھتی جا رہی ہے۔ اعصاب ٹھٹھرے جا رہے ہیں۔ اعضاء مضمحل ہو رہے ہیں، قلب روز بروز ضعیف اور دماغ

مفلوج ہو رہا ہے، کوئی دینی پیغام، کوئی دینی تحریک کوئی درد و اخلاص، کوئی علم و حکمت، کوئی شاعری و خطابت اس گروہ میں زندگی نہیں پیدا کر رہی ہیں جو چیزیں قوموں میں جنون کی لہر اور موت کا عشق پیدا کر دیتی ہیں وہ ان مسلمانوں کو چونکانے سے بھی قاصر ہیں۔ بہت بڑی تعداد ایسی ہے جن کو دین سے اور دین کی راہوں سے، دین کی اصطلاحوں سے، دین کے انعامات سے دین کی ترغیبات سے کوئی مناسبت اور اس میں ان کے لئے کوئی کشش نہیں رہی۔ آخرت خارج از بحث چیز ہے، جنت دوزخ بے معنی الفاظ ہیں اس پر دنیا طلبی زر طلبی اور زمانہ سازی کا طلسم قائم ہے انك لا تسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء ان کا حال ہے بہت سے لوگوں کی علمی صلاحیت محدود ہے فطری طور پر اور نسلی اثرات صدیوں کے جمود بے علمی کی وجہ سے ان کے قویٰ میں اضمحلال اور طبیعت میں حد درجہ افسردگی اور برودت ہے وہ زندگی کی کشمکش میں حصہ نہیں لے سکتے اور اسلام کے لئے قربانی اور جدوجہد سے قاصر ہیں۔ ایسی حالت میں اگر اسلام کی قسمت ان سست عناصر اقوام و افراد کے ساتھ وابستہ کر دی جائے اور ساری کوشش انہیں پر منحصر کر دی جائے تو یہ مستقبل کے لئے بڑا خطرہ ہے، ضرورت ہے کہ ان قدیم الاسلام اقوام اور خاندانوں کے دین کی پوری حفاظت اور اس کے لئے انتہائی جدوجہد کے ساتھ نئے نئے میدانوں کی طرف بھی رخ کیا جائے اور اسلام کی دعوت کو وہاں تک پہنچایا جائے جس دین نے ناامیدی اور مایوسی کی حالت میں تاتاریوں اور عثمانی ترکوں کو اسلام کا علم بردار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وفادار بنایا اور جو ہمیشہ دنیا کے صنم خانوں سے کعبہ کیلئے پاسبان مہیا کرتا ہو، کیا اب اپنے حریفوں میں سے حلیف اور دین فطرت کا حلقہ بگوش

نہیں بناسکتا؛ ہم جب تک اس کی منظم اور پرجوش کوشش نہ کریں ہم کو مایوس ہونے اور اس کے خلاف رائے قائم کرنے کا کوئی حق نہیں۔

اسلام کو اس وقت نئے خون، نئی امنگوں، نئے ولولے اور نئے جوش عمل اور جذبۂ قربانی کی ضرورت ہے، یہ نیا خون، نیا جوش اور قربانی بہت سی جگہ موجود ہے۔ لیکن پست مقاصد اور غلط میدانوں میں صرف ہو رہا ہے، جو چیز اسلام کے کام نہیں آرہی ہے وہ صرف ضائع نہیں ہو رہی ہے بلکہ دنیا کی تباہی کا باعث ہو رہی ہے، اسلام کی دعوت ابھی ان گوشوں میں نہیں پہنچی، ہمارا فرض ہے کہ ہم اسلام کو ان قوموں اور طبقوں تک پہنچا کر اسلام کی طاقت اور ایمان کی ان کیفیات کا تماشہ دیکھیں جو ہمیں دنیا کی تاریخ میں نومسلموں کی زندگی میں وقتاً فوقتاً نظر آتی ہیں، ہمیں ان نومسلموں کی زندگی میں اسلام کی صداقت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و امامت عالم پر اس درجہ کا یقین، ذات نبوی کے ساتھ وہ عشق و شیفتگی اور اسلام کی برتری کے لئے ایسی جد وجہد اور سرفروشی دیکھنے میں آئے گی جس کے سامنے ہم پشتینی مسلمانوں کو شرم آئے گی اور جس کی نظیر صدیوں سے دیکھنے میں نہیں آئی ہوگی۔

مذہب یا تہذیب

۴

مذہب اصول دیتا ہے، تہذیب بنے بنائے
سلیقے۔ مذہب زندگی کو وسیع اور لچکدار بناتا
ہے۔ تہذیب تنگ اور بے لچک بناتی ہے،
مذہب تمام انسانوں کو ایک طرح کے اصول
زندگی ایک مقصد زندگی، ایک روح زندگی
اور پیغام زندگی دیتا ہے اور تہذیب چھوٹے
چھوٹے دائروں میں تقسیم کر کے ایک دوسرے
کے درمیان رسوم و عادات کی دیواریں کھڑی
کر دیتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مذہب یا تہذیب

کس کی دعوت صحیح ہے؟

آج کل پرانی تہذیبوں کے زندہ کرنے کا شوق ہر ملک اور ہر قوم میں عام ہے، کوئی دو ہزار برس پہلے کی تہذیب کو زندہ کرنا چاہتا ہے۔ کوئی چار ہزار برس قبل مسیح کے دور کو واپس لانا چاہتا ہے۔ جن ملکوں کو نئی نئی آزادی ملی ہے وہاں ہر طرف یہی نعرہ بلند ہے کہ اپنے ملک کی ہزاروں سال کی پرانی تہذیب کو زندہ کرنے میں اب کیا رکاوٹ ہے، کہیں اس پر فخر کیا جاتا ہے کہ ہماری تہذیب دنیا کی سب سے پرانی تہذیب ہے کہیں کہا جا رہا ہے کہ ہماری زبان اور تہذیب کی یہ خصوصیت ہے کہ انہوں نے ہزاروں سال تک بیرونی اثرات قبول نہیں کیے، اور وہ ہزاروں سال پہلے کی شکل وصورت پر قائم ہیں۔

ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ اس جذبہ اور مطالبہ کا محرک اور اس کی بنیاد کیا

ہے ؟ کیا کسی بہتر نئی زندگی کی تلاش، ٹی ہوئی اور کھوئی ہوئی اخلاقی خوبیوں کی بازیافت، ایک صالح تر نظام زندگی اور ایک بہتر معاشرہ کا احیاء جس میں زیادہ روحانیت و معنویت، امن و اطمینان، سکون قلب، خلوص و محبت، حقوق باہمی کی ادائیگی، خدا ترسی اور احساس ذمہ داری تھا، اور کم سے کم نفسانیت وخود غرضی، مادیت و بد اخلاقی، خدا فراموشی و نفس پرستی تھی، ہم جب پرانی تہذیب کو زندہ کرنے کی دعوت و مطالبہ کی علمی تنقید و تحلیل کرتے ہیں اور اس دعوت کے علمبرداروں اور پرجوش وکیلوں کی زندگی اور اخلاق کا ان کی دعوت سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہم کو بڑی مایوسی ہوتی ہے اُن کی تقریروں اور تحریروں میں اخلاق اور اس کی بنیادوں، روحانیت اور ایمان و اعتقاد کا سرے سے تذکرہ اور اہمیت نہیں، محض تمدن کے سطحی مظاہر اور فنون لطیفہ زبان و کلچر کا تذکرہ ہے جن کو اخلاق و معاشرت سے زیادہ سروکار نہیں، ان کے ادب میں ہمیں موجودہ مادہ پرست نظام زندگی پر کوئی گہری تنقید اور اس سے بیزاری نظر نہیں آتی، اور نہ زندگی کی ان گہری بنیادوں سے دلچسپی جن پر زندگی کی عمارت تعمیر ہوتی ہے، بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ پرانی تہذیب کے احیاء کی دعوت کے ساتھ ساتھ اس غلط نظام زندگی کے ساتھ جگہ جگہ ساز باز کئے ہوئے ہیں، جا بجا اس کی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہیں، اور کہیں اس سے انحراف یا بغاوت کرتے نظر نہیں آتے، انہوں نے اسی ڈھنگ پر آئین سازی کا کام جاری رکھا، نظام تعلیم کو اس کی لادینی اور غیر اخلاقی روح کے ساتھ قبول کیا غیر مذہبی ریاست کا اعلان کیا، مملکت کی ساری تنظیم غیر دینی اور غیر اخلاقی بنیادوں پر کی، مسائل زندگی

اور اُن کے حل کی کوشش میں بے نظمیوں، بدعنوانیوں، رشوت، چور بازاری اور نفع خوری اور دوسری خرابیوں کے دور کرنے میں ان کا ذہن بیسویں صدی کے مادہ پرست مغربی ذہن سے کسی طرح مختلف اور بہتر طریقہ پر سوچنے والا نہیں اور کہیں بھی اس گہرے تفکرات کا ثبوت نہیں دیتا جو مشرق کی قدیم مذہبی قوموں کی خصوصیت ہے، مشکلات اور نئی نئی الجھنوں کی وہی تعبیر اور ان کو دور کرنے اور سلجھانے کی وہی اوچھی تدابیر جو یورپ و امریکہ میں سُوچی اور آزمائی جاتی ہیں، نئی کمیٹیوں کی ترتیب، تحقیقاتی کمیشنوں، انسداد رشوت ستانی کے لئے نئے افسروں کا تقرر، غلہ کی نایابی کے لئے راشننگ قیمتوں کی افزونی کا علاج قیمتوں کا کنٹرول وغیرہ وغیرہ، ہم نے یہ کبھی نہیں سنا کہ پُرانی تہذیبوں کے قدردانوں اور ویدک تہذیب اور پراچین ہندوستان کے داعیوں کی طرف سے اس کا مطالبہ کیا گیا ہو کہ عوام میں اخلاقی احساس اور مذہبی روح کو بیدار کرنے کی کوشش کی جائے، اور ان میں پرانے زمانے کا ایمان و اعتقاد پیدا کیا جائے۔ جزا و سزا کے مذہبی عقیدہ اور یقین کو دوبارہ زندہ کیا جائے۔ جس کے بغیر آدمی جرائم اور بداخلاقیوں سے اجتناب نہیں کر سکتا، یورپ کے مادی فلسفہ کی تردید کی جائے، دولت پرستی کی بحرانی کیفیت کو جو ساری قوم پر طاری ہوگئی ہے، کم کرنے کی کوشش کی جائے، اخلاق و روحانیت کی منظم و مؤثر طریقہ پر تلقین کی جائے، ہم کہیں اس کا کوئی ذکر و فکر نہیں پاتے، ہر طرف پرانی تہذیب کے ایک مبہم لفظ اور زبان و کلچر کی صدا بلند ہے جس کے پیچھے نہ کوئی روحانی خواہش ہے نہ کوئی اخلاقی جذبہ۔

اس بنا پر ہم جب تہذیب قدیم کے احیاء کی دعوت کو جانچتے ہیں اور

اس کے ذہنی و قلبی محرکات کو تلاش کرتے ہیں تو ہم کو ایسا نظر آتا ہے کہ اس کی تہ میں صرف قوم پرستی اور نسلی غرور کا جذبہ کام کر رہا ہے یا اس تہذیب کے خلاف ردِ عمل کا جذبہ جو اس پچھلے ہزار برس میں ہندوستان میں برسرِ عروج رہی ہے اور اس کا جرم یہ ہے کہ اس کا بہت سا حصہ ہمالیہ کی دیواروں کے مغربی یا شمالی جانب سے آیا ہے، درحقیقت ان میں سے کوئی چیز بھی کوئی سنجیدگی اور گہرائی نہیں رکھتی اور محض طفلانہ احساسات اور عامیانہ جذبات پر مبنی ہے، قوم پرستی اور نسلی غرور و تکبّر دنیا کے سب سے بڑے تخریبی عناصر رہے ہیں۔ جنہوں نے بار بار سکندر و چنگیز کے لباس میں دنیا کو تہ و بالا کیا ہے، کسی قدیم تہذیب کے مٹے ہوئے نشانات سے کسی ملک و قوم کی تعمیر نہیں ہو سکتی، تعمیر کے لئے صرف صحیح مذہب کی بنیادیں ہیں جو زندگی کے حدود متعین کر کے زندگی کی پوری وسعت میں اس کی لچک اور اس کی ترقی کو تسلیم کرتا ہے اور ان حدود کے اندر زندگی کو پورے طور پر پھلنے پھولنے اور دوڑنے بھاگنے کا حق دیتا ہے۔ خواہ دس ہزار برس کی مقدس تہذیب ہو یا دو ہزار برس کا تمدن، وہ ایک خاص قطع کا لباس ہے جو عصرِ جدید اور ایک نوخیز قوم کے جسم پر سلامت نہیں رہ سکتا۔ پرانی تہذیب ہمیں ایک سلا ہوا لباس دیتی ہے۔ دو ہزار برس قبل مسیح یا چار سو برس بعد مسیح کا لباس بیسویں صدی عیسوی کے جسم پر کس طرح راست آسکتا ہے۔ مذہب ہمیں لباس کے اصول و حدود عطا کرتا ہے، اور زندگی کی اشیائے خام سے ہمیں سامان تیار کرنے کے اخلاقی ضوابط بخشتا ہے، وہ ایک خاص طرح کی آستین، خاص شکل کا دامن، خاص نمونہ کی کلی، خاص طرز کے تکمے نہیں دیتا، وہ یہ کہتا ہے کہ لباس ساتر (پردہ پوش) ہو غرور

پیدا کرنے والا نہ ہو۔ اسراف سے محفوظ ہو تنعم وراحت پسندی کا پیدا کرنے والا نہ ہو، حتے الامکان اس میں سادگی واعتدال کا لحاظ رکھا گیا ہو، ان حدود کے اندر آپ کو ہر زمانہ ہر ملک ہر موسم اور ہر طرح کے حالات وضروریات کے لئے لباس تیار کرنے کی پوری آزادی ہے، تہذیب قدیم اصرار کرتی ہے کہ کرتہ فلاں نمونہ کا ہو جو دو ہزار برس پہلے فلاں دور میں استعمال ہوتا تھا پجامہ کی جگہ دہوتی یا لنگوٹ ہو کہ وہ پرکھوں کا شعار ہے۔ جاڑوں میں کمبل یا رضائی کے علاوہ کچھ استعمال نہ کیا جائے کہ یہ سب چیزیں باہر سے آئی ہیں۔ مذہب کو ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں اندرون ملک وبیرون ملک دیس پردیس، قدیم وجدید کی تقسیم اس کے یہاں بے معنی اور فضول ہے اس کے نزدیک زندگی کے کچھ ہمہ گیر اصول ہیں جو ہر ملک وقوم اور ہر زمانہ کے لئے عام ہیں، وہ انسانوں سے یہ نہیں کہتا کہ یہ لباس تمہارے دیس کا ہے یہ پردیس کا، تمہارے باپ دادا یہ پہنتے تھے یہ نہیں پہنتے تھے، وہ تمام انسانوں سے کہتا ہے:۔

یٰبنی اٰدم قد انزلنا علیکم	اے آدم کی اولاد ہم نے تمہارے لئے وہ
لباسا یواری سوأتکم وریشا و	لباس پیدا کیا ہے جو تم کو برہنگی سے بچائے
لباس التقویٰ ذٰلک خیر	اور آرائش کے کپڑے اور پرہیزگاری کا
(اعراف۔ ع ۳)	لباس وہ سب سے بہتر ہے۔

اس کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ فلاں کھانا فلاں ملک کا ہے اور فلاں پھل کو فلاں قوم نے ترقی دی، فلاں کھانے کی اس لئے سرپرستی کی جائے کہ وہ ہمارے ملک کا قدیم ترین کھانا ہے اور فلاں قسم کے آداب طعام کا اس لئے مقاطعہ

کیا جائے کہ ایک حملہ آور قوم ان کو اپنے ساتھ لائی تھی، وہ صرف یہ کہتا ہے۔

کلوا واشربوا ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین۔ (اعراف ۔ع ۳)

کھاؤ پیو اور بے جا خرچ نہ کرو اس کو بے جا خرچ کرنے والے پسند نہیں آتے۔

ساری زندگی میں مذہب و تہذیب کا یہی اصولی فرق نظر آئے گا۔

مذہب اصول عطا کرتا ہے، تہذیب بنے بنائے سانچے دیتی ہے وہ بھی سینکڑوں ہزاروں برس پہلے کے جو اپنی زندگی کھو چکے ہیں۔ اور جگہ جگہ سے ٹوٹ چکے ہیں، مذہب زندگی کو وسیع اور لچکدار بناتا ہے تہذیب اس کو تنگ اور بے لچک بناتی ہے، مذہب کی وجہ سے اللہ تعالےٰ کی ہر طرح کی نعمتوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ قدیم تہذیب صدہا چیزوں سے محروم کرتی ہے مذہب کہتا ہے۔

قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبٰت من الرزق۔ (اعراف ۔ع ۴)

پوچھئے کس نے اللہ کی پیدا کی ہوئی وہ زینت حرام کی جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی اور کھانے کی صاف ستھری چیزیں۔

اور قدیم تہذیب ہر چیز میں اپنا نشان ڈھونڈھتی ہے جہاں اس کو اپنا نشان نہیں ملتا اس کو وہ رد کرتی ہے یا اس پر ناک بھوں چڑھاتی ہے۔

۲

قدیم تہذیبیں انسانوں کو چھوٹے چھوٹے دائروں میں تقسیم کرتی ہیں اور انسانوں کے درمیان ملکوں اور ملکوں کے درمیان قوموں اور قوموں کے درمیان بلکہ صوبوں اور صوبوں کے درمیان رسوم و عادات کی دیواریں کھڑی کرتی ہیں، مذہب تمام انسانوں کو ایک طرح کے اصول زندگی، ایک مقصد زندگی، ایک روح زندگی اور

پیغام زندگی عطا کرتا ہے، قدیم تہذیبوں کے مطالعہ اور قدیم تاریخ کے اثر سے جو ذہنیت تیار ہوتی ہے وہ قومی عروج اور دور قدیم کے بازگشت کے لئے ناانصافی تنگ نظری اور ظلم سکھاتی ہے، اس لئے کہ بعض وقت اس کے بغیر اس تہذیبی دور کی واپسی مشکل ہوتی ہے، اس لئے یورپ کی جن قوموں کا ذہنی وسیاسی نشو ونما قدیم تہذیب اور قدیم تاریخ کی بنیاد پر ہوا وہ بڑی ظالم ومغرور اور بے رحم ثابت ہوئیں، مذہب کی تعلیم ہے۔

یاایها الذین امنوا کونوا قوامین	اے ایمان والو! اللہ کے واسطے کھڑے ہونے
للہ شهدآء بالقسط ولا یجرمنکم	والے انصاف کی گواہی دینے والے بنو اور
شنان قوم علٰی ان لا تعدلوا اعدلوا	کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز
هو اقرب للتقوٰی واتقوا اللہ	نہ چھوڑو، انصاف کرو یہی بات خدا کے
ان اللہ خبیر بما تعملون ○	خوف ولحاظ سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے
(المائدہ - ع ۲)	اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ تمہارے اعمال
	سے خوب خبردار ہے۔

قدیم تہذیبیں کہتی ہیں آؤ اس دور کی طرف جب ایسے رسم ورواج تھے، کھانے پینے کا یہ طریقہ تھا، لباس کا یہ طرز تھا، کھانے کے یہ برتن تھے یا فلاں درخت کے پتے تھے، سواری کے لئے رتھ تھے یا بیل گاڑیاں تھیں، یا اونٹ تھے، آؤ شدھ سنسکرت کی طرف یا خالص عربی کی طرف یا زبان پہلوی کی طرف۔

مذہب کو ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں، اس کی نظر میں مسائل اہم نہیں مقاصد اہم ہیں اور وہ روح اور ذہنیت اہم ہے جس کے ساتھ یہ وسائل

استعمال کئے جاتے ہیں، رتھ، بیل گاڑی، اونٹ کی سواری یا ریل، موٹر یا ہوائی جہاز ان وسائل سفر میں جب جس کی ضرورت ہو اور مقصد سفر کے لئے زیادہ مفید ہو اس کو اختیار کیا جاسکتا ہے لیکن اس کی نگاہ میں ضروری یہ ہے کہ :۔

لتستووا علیٰ ظهوره ثم تذکروا	تم ان سواریوں پر سوار ہو پھر اللہ کے احسان
نعمة ربکم اذا استویتم علیه	کو یاد کرو جب تم ان پر بیٹھ جاؤ اور کہو کہ
وتقولوا سبحان الذی سخّرلنا هذا	پاک ہے اس کی ذات جس نے ہمارے قابو
وماکناله مقرنین وانا الیٰ	میں ان سواریوں کو دیا اور یہ ہمارے بس کی
ربنا لمنقلبون ٥	تو نہ تھیں اور ہم اپنے رب کی طرف پلٹ
	کر جانے والے ہیں۔

مذہب کی دعوت یہ نہیں کہ آؤ عبرانی زبان کی طرف یا عربی یا سنسکرت یا فارسی کی طرف، مذہب کی صاف دعوت سب کے لئے وہی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اہل مذہب کو دی۔

قل یآاهل الکتاب تعالوا الیٰ کلمة	اے اہل کتاب ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے
سوآء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا الله	اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ بندگی نہ کریں
ولا نشرك به شیئا ولا یتخذ	ہم مگر اللہ کی اور شریک نہ ٹھہرائیں اس کا کسی کو
بعضنا بعضا اربابا من دون الله	اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے علاوہ
(آل عمران ۔ ع ۷)	رب نہ بنائے۔

اس لئے قدیم تہذیبوں کا احیاء انسانیت کے لئے ایک مصیبت اور ایک فتنہ ہے، جو نئی نئی جنگیں اور نئے نئے اختلافات اور نئے مشکلات پیدا کرے گا، صحیح

مذہب کی دعوت، پیام رحمت اور انسانیت عامہ کی سب سے بڑی خدمت ہے۔

پھر فرض کیجئے کہ خدا نخواستہ سب قدیم تہذیبیں اپنے حامیوں کی خواہش کے مطابق زندہ ہو جائیں، ہندوستان، یونان، روم، ایران، عرب کی قدیم تہذیبیں دوبارہ واپس آجائیں تو دنیا میں کیسا فتنہ برپا ہو اور کیا تماشہ دیکھنے میں آئے، ظاہر ہے کہ یہ تہذیبیں زندہ ہوں گی تو اپنے تمام خصوصیات اور محاسن و معائب کے ساتھ زندہ ہوں گی، آپ کو یہ کہنے کا کیا حق ہے کہ فلاں قدیم تہذیب ضرور زندہ ہو مگر فلاں معائب اور نقائص جو اس کی پوری زندگی میں قائم رہے ہیں زندہ نہ ہوں اور اس کا آپ کو اختیار ہی کب ہے؟ ہر تہذیب اپنے تمام مزاجی خصوصیات اور امتیازی صفات کے ساتھ زندہ ہو گی۔ اب دنیا کا نقشہ کیا ہو گا، ہندوستان میں شہوانیت کا دور دورہ ہے، سخت طبقاتی ناانصافی اور چھوت چھات پایا جاتا ہے، عورتیں ستی ہو رہی ہیں، یونان میں دیویوں کی قربان گاہوں پر حیا سوز افعال کئے جا رہے ہیں، عصمت فروشی ایک معزز و پسندیدہ پیشہ ہے۔ روم میں غلاموں پر تیل چھڑک کر آگ لگا کر دعوتوں میں روشنی کا انتظام کیا جا رہا ہے، اور اس انسانیت سوز روشنی میں پر تکلف دعوتوں اور شاہانہ ضیافتوں کا انتظام کیا جا رہا ہے، سیانی کے دنگل گرم ہیں جہاں ایک انسان دوسرے انسان پر محض لوگوں کی شوق تماش بینی کی تسکین کے لئے تلوار سے حملہ آور ہوتا ہے اور دیکھتے دیکھتے ایک انسان خاک و خون میں لوٹتا نظر آتا ہے، مجمع اس کی آخری کراہ سننے کے لئے اور نزع کی کیفیت دیکھنے کے لئے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتا ہے اور پولیس کو انتظام مشکل ہو جاتا ہے، ایران میں آتش پرستی ہو رہی ہے۔ امرا ایک ایک لاکھ کی صرف ٹوپی پہنے ہوئے

ہیں اور غربا سردی میں ٹھٹر کر مر رہے ہیں، حقیقی بہن سے نکاح کا دستور ہے، اور ایک طبقہ عورت کو سوسائٹی کی ملکیت عامہ بنانے کا طلب گار ہے۔ عرب میں معصوم بچیاں دفن کی جا رہی ہیں، قافلے لٹ رہے ہیں، بے بات کی بات پر چالیس چالیس برس تک جنگیں جاری رہتی ہیں۔ شراب، جوئے اور بداخلاقی کے عریاں قصوں کو فخریہ اشعار میں بیان کیا جا رہا ہے اور ان اشعار کو کعبہ میں آویزاں کر کے شاعری کی قدردانی کا ثبوت دیا جا رہا ہے، کیا یہ دنیا کا کچھ اچھا نقشہ ہوگا اور کیا اس بات کے لئے کوئی قانونی و اخلاقی جواز ہے کہ ہندوستان کی چار ہزار برس پہلے کی تہذیب تو ضرور زندہ ہو لیکن ایران و عرب کی ڈیڑھ ہزار برس پہلے کی تہذیبیں زندہ نہ ہوں، اگر ہر ملک میں اس کی قدیم تہذیب کو زندہ ہونے کا حق ہے تو دنیا کا ہر ملک اس حق کا طلبگار ہے اور ہمیں استثنا کا کوئی حق نہیں۔

دراصل ان تہذیبوں کے مٹ جانے میں اللہ کا بڑا فضل شامل تھا، ان کے ساتھ ان کی بہت سی بے اعتدالیاں اور ناانصافیاں بھی مٹ گئیں، اور انسانوں کی ایک بڑی جماعت کو ان سے نجات ملی، قومی تعصبات سے اگر آزاد ہو کر ہم تاریخ و فلسفۂ تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہم کو نظر آئے گا کہ دنیا میں جو چیز مٹی اس کو مٹ ہی جانا چاہیئے تھا، اس کا مٹ جانا اس کی علامت ہے کہ اس میں زندہ رہنے کی صلاحیت ختم ہو گئی تھی اور وہ اپنی عمر پوری کر چکی تھی، کسی دوسرے نظام زندگی کا اس پر غالب آجانا اس بات کی دلیل ہے کہ غالب آنے والا نظام زندگی اس سے فائق و برتر تھا اور زندگی کا زیادہ استحقاق اور استعداد رکھتا تھا اب ان مٹی ہوئی تہذیبوں کا دوبارہ زندہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے فراعنۂ مصر کی مسالہ لگی ہوئی لاشوں (ممی)

کو ان کے مقبروں سے نکال کر دوبارہ مصر کے تخت پر بٹھانا اور حکومت کے اختیارات کو ان کے حوالہ کرنا ہے، دنیا میں کوئی فلسفہ اور نظامِ زندگی بغیر روح اور اپنے مخصوص پیغام کے زندہ نہیں رہ سکتا، جن تہذیبوں کی روح نکل چکی، وہ اپنا پیغام اپنے زمانہ کی محدود دنیا کو سنا چکیں اب نہ ان میں عصرِ حاضر کی روح ہے نہ دنیا کے لئے کوئی پیغام، نہ ان کے پاس انسانیت کے مسائل و مشکلات کا کوئی حل ہے، نہ سرگشتہ و حیران قوموں کے لئے راہ عمل اس لئے اب ان مردہ تہذیبوں کا زندہ کرنا طاقت اور وقت دونوں کا ضیاع اور ایک لاحاصل کام ہے۔

دعوت وجدوجہد کی چیز دراصل صحیح اور غیر فانی مذہب ہے جس کو اللہ کے پیغمبر ہر ملک اور دور میں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری اور دائمی طور پر لے کر آئے، انہوں نے اس کے ذریعہ سے انسانوں کو دنیا اور آخرت کی فلاح کا پیغام دیا، خالق سے ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑا، توحید خالص کا سبق پڑھایا، حساب کتاب کی اخروی زندگی کا منتظر بنایا، نیکی اور بدی کے معین حدود بتلائے اور اخلاق و معاشرت و حقوق باہمی کے وہ بے خطا اصول و ضوابط عطا کئے جن پر ہر دور میں حیات انسانی کی تنظیم ہو سکتی ہے اور مدنیت صالحہ وجود میں آتی ہے، انکے احکام پر عمل کرنے سے خود بخود ایک زندگی پیدا ہوتی ہے جو افراط و تفریط اور ہر طرح کی بے اعتدالیوں سے پاک ہوتی ہے ایک معاشرہ قائم ہوتا ہے جو امن و سکون اطمینان قلب، اشتراک و تعاون اور اعتدال و توازن کا بہترین نمونہ ہوتا ہے، اس کی بنیادیں ٹھوس لیکن اس کی فضا وسیع ہے۔ اس میں فولاد کی طرح بیک وقت صلابت اور لچک دونوں موجود ہیں یہ وہ زندگی اور معاشرہ ہے جس پر کسی قوم

ونسل کی چھاپ اور کسی قومیت اور وطنیت کا ٹھپہ نہیں۔ یہ انسانیت کی دولت مشترکہ ہے جس میں کسی قوم اور ملک کی اجارہ داری نہیں، اس سے نہ چین کو انکار ہوسکتا ہے، نہ ہندوستان کو عار، نہ ایران کے لئے وحشت کی کوئی وجہ ہے نہ یورپ کے لئے گریز کی کوئی راہ، پرامن اور کامل زندگی کے لئے اس کے سوا کوئی نمونہ ہی نہیں۔

آپ کا جی چاہے تو آپ اس زندگی کو بھی تہذیب کہہ سکتے ہیں جو ان عقائد واحکام سے وجود میں آئی ہے لیکن آپ اس کو عربی تہذیب یا ایرانی تمدن نہیں کہہ سکتے اس کو کسی ملک اور قوم اور اس کے طرز تعمیر اور فنون لطیفہ سے دلچسپی نہیں، اور وہ کسی قومی تمدن یا ملکی تہذیب کی نمائندہ اور وکیل نہیں، ہر ملک میں اس کا تجربہ کیا جاسکتا ہے اور ہر قوم اس کو اپنا سکتی ہے مٹ جانے والے تمدنوں پر اس کی بنیاد نہیں، ایمانیات وعقائد اور غیر متبدل حقائق پر اس کی بنیاد ہے جو نبی دنیا میں لے کر آئے، اس لئے اس کے مٹنے اور دوبارہ زندہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں ؎

حقائق ابدی پر اساس ہے اس کی
یہ زندگی ہے نہیں ہے طلسم افلاطوں

اس کے لئے علیحدہ دعوت واحیاء کی ضرورت نہیں، اسلام کی دعوت اس کی دعوت ہے اور یہ دعوت ہر وقت زندہ اور تابندہ ہے ؎

طلوع ہے صفت آفتاب اس کا غروب
یگانہ اور مثال زمانہ گوناگوں!

یہ اخلاقی گراوٹ کیوں؟

خدا کا یقین اور دوسری زندگی کا عقیدہ ہی
ہے جو ملک کو اخلاقی گراوٹ، بے اصولیوں،
نفع خوری، رشوت ستانی اور دولت کی
بڑھتی ہوئی ہوس کو روک سکتا ہے اور اخلاقی
احساس اور پختگی پیدا کرسکتا ہے۔ اس لئے
ہماری تمام علمی اور ادبی تہذیبی اور لسانی
ضرورتوں پر یہ اخلاقی ضرورت مقدم ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہِ الکریم

یہ اخلاقی گراوٹ کیوں؟

جب سے ہمارے ملک کو آزادی حاصل ہوئی ہے اور حکومت کی ذمہ داریاں اس ملک کے باشندوں پر پڑی ہیں ہماری سماجی اور انتظامی زندگی میں بہت سی دبی ہوئی اخلاقی کمزوریاں اور خامیاں جو غلامی کے دور میں نظر نہیں آسکتی تھیں ابھر آئی ہیں اور دیکھنے والوں کو نمایاں طور پر نظر آنے لگی ہیں۔ ہمارے مختلف سیاسی رہنماؤں اور ذمہ داروں نے جن کو اس ملک کے ساتھ گہرا تعلق اور سچی ہمدردی ہے، مختلف موقعوں پر بڑی آزادی اور بہادری کے ساتھ ان حالات پر کڑی تنقید کی ہے اور اس اخلاقی گراوٹ پر بڑے دکھ اور درد کے ساتھ ماتم کیا ہے۔

۵ ستمبر کو الہ آباد میں کانگریس کارکنوں کے ایک جلسہ میں یو۔پی کانگریس کے صدر اور یو۔پی اسمبلی کے اسپیکر[1] بابو پرشوتم داس ٹنڈن جی نے بھی ایک موثر تقریر کے دوران میں قومی کارکنوں کی اسی اخلاقی گراوٹ پر سخت اظہار افسوس کیا "قومی آواز" کا نامہ نگار لکھتا ہے:۔

"الہ آباد ۵ ستمبر:۔ اسپیکر ٹنڈن نے آج صبح کانگریس کے کارکنوں

---

[1] یہ تحریر اس وقت کی ہے جب ٹنڈن جی یو۔پی کانگریس کے صدر اور اسمبلی کے اسپیکر تھے۔

کے ایک جلسہ میں جس وقت کانگریس والوں کی بدعنوانی، رشوت ستانی، اقربانوازی کا تذکرہ کیا تو وہ گلوگیر ہو گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ درد سے کانپتی ہوئی آواز میں انہوں نے کہا "کیا ہم اسی لئے لڑے تھے، کیا ہم نے اسی لئے مصیبتیں اٹھائی تھیں اور اپنی جانیں قربان کی تھیں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میرے رفیق اس پستی میں گر جائیں گے تو میں غلامی ہی کو ترجیح دیتا جب میں ان کانگریسیوں کی بدعنوانیوں کی افسوسناک کہانیاں سنتا ہوں جو آزادی کے لئے لڑے تھے اور جو محب وطن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، تو میرا دل روتا ہے اور مجھے بے حد دکھ ہوتا ہے۔ دوران جلسہ وہ کئی بار فرط غم سے بے حال ہو گئے اور انہوں نے کانگریس والوں سے نہایت منّت کے ساتھ اپیل کی کہ وہ دولت و ثروت، مرتبہ اور عہدے کے لئے اپنے دل کو سیاہ نہ کریں۔ اسپیکر ٹنڈن کو اپنے محب وطن رفیقوں کی بداطواریوں پر روتے دیکھنا ایک ایسا منظر تھا جس سے دل متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

جب سے اسپیکر ٹنڈن یو۔پی کانگریس کے صدر ہوئے ہیں ان کے پاس برابر کانگریسیوں کی شکایتیں آرہی ہیں۔ اور اس کا انہیں بے حد صدمہ ہے۔ مسٹر ٹنڈن نے تقریر کے آخر میں کہا کہ "جب کانگریسیوں کے خلاف شرمناک قسم کی شکایتیں میرے

منھ پر دے ماری جاتی ہیں، تو میں شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہوں،
اور میرا دل بیٹھنے لگتا ہے۔"

(قومی آواز ۷ ستمبر ۱۹۴۸ء)

ان تقریروں کو پڑھ کر اس میں ان مقررین کی حقیقت پسندی اور اخلاقی جرأت کی بڑی قدر ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں زندگی کے کمزور پہلوؤں کو بھی خوب دیکھتی ہیں، اور ان کا درد بھرا دل ان پر آنسو بہاتا ہے۔ موجودہ اخلاقی تنزل ایسا ہی واقعہ ہے کہ ہر محب وطن اس پر خون کے آنسو روئے اور ملک کا ہر حسّاس آدمی شرم سے گردن جھکا لے، ملک کی لڑائی اس امید میں لڑی گئی تھی کہ پردیسیوں کے چنگل سے نکل کر اس ملک کو سچّا چین اور سکھ حاصل ہوگا۔ حقدار کو اس کا حق ملے گا۔ مظلوم کے ساتھ انصاف ہوا کرے گا۔ حکومت کا دار و مدار کسی جماعت یا گروہ کے ذاتی اغراض اور مصلحتوں پر نہیں ہوگا۔ بلکہ بے لاگ حق وانصاف اور اس ملک کے حقیقی فائدوں اور ملک والوں کی ضرورتوں پر ہوگا۔ ہم نے کہا تھا، اور جہاں تک سیاسی فلسفہ اور نظری علم کا تعلق ہے۔ کچھ غلط نہیں کہا تھا کہ غیر ملکی حکومت بس کی گانٹھ ہے۔ جب تک یہ نہ نکلے ملک کا مزاج اعتدال پر نہیں آسکتا اور اس کی زندگی کی چول بیٹھ نہیں سکتی۔ جب تک خود اس ملک کے لوگ اس ملک کا انتظام نہ کریں اور اپنے ملک کے فیصلوں کے خود مختار نہ ہوں، اپنے گھر کو اپنی ضرورتوں اور اپنی خواہش کے موافق نہ بنائیں، اس ملک میں خوشحالی عام نہیں ہو سکتی اور سب کو پیٹ بھر روٹی نہیں مل سکتی، ہم پچھلی حکومت میں ہزاروں قسم کی بدعنوانیاں اور ناانصافیاں

دیکھتے تھے اور دل پکڑ کر رہ جاتے تھے، کہ غیر پر کیا اختیار ہے یہ قصور ہمارا ہے کہ ہم نے اپنا گھر ان پردیسیوں کے حوالہ کر رکھا ہے جن کو اس ملک اور ملک والوں سے کوئی ہمدردی نہیں۔ سات سمندر پار کے رہنے والے اس ملک کو تجارت کی منڈی سمجھ کر آئے، ان کو جو خطاوار سمجھے، اس کی عقل کا قصور، اس جنم روگ کا علاج یہ ہے کہ اس بدیشی راج کو ختم کیا جائے اور اپنے گھر کا انتظام سنبھالا جائے، بات سچی تھی اور دل لگتی۔ بہت سے ملکوں کا تجربہ بھی یہی تھا۔ چنانچہ ہم نے دنیا کی سب سے بڑی طاقت سے لڑائی چھیڑ دی اور اس مقصد کے لئے وہ سب کچھ کیا جو اس بلند مقصد کے لئے کرنا چاہیئے تھا۔ اور وہ قربانیاں دیں جو ایشیاء کے کسی ملک نے پیش نہیں کیں، آخر کار برطانیہ نے ہندوستانی قوم کا سیاسی بلوغ تسلیم کر لیا اور اس کا اقرار کر لیا کہ اب اس کو کسی اتالیق کی ضرورت نہیں وہ اپنے معاملات خود چکا سکتا ہے۔ اس کو مجبور ہو کر اتنے بڑے ملک سے فارغ خطی لکھ دینا پڑی۔ جو اچھا خاصہ براعظم ہے۔ اور شاہ برطانیہ کے تاج کا کوہ نور ہیرا سمجھا جاتا تھا۔

میں یہاں پر ان افسوسناک واقعات کا ذکر کر کے محب وطن بزرگوں کا ٹھہرا ہوا دل چھیڑنا نہیں چاہتا جو گزشتہ ۴۷-۱۹۴۶ء میں پیش آئے اور جو آزادی کی ایک غیر ضروری قیمت تھی، اور جو اس ملک کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔ نواکھالی اور بہار اور پھر مغربی اور مشرقی پنجاب اور دہلی میں جو کچھ ہوا وہ مریض کی ایک ہذیانی کیفیت تھی۔ اور ان غیر ذمہ دار آدمیوں کا فعل جو اس ملک کے بنانے والے اور اس کی آزادی کی لڑائی لڑنے والے نہ تھے جو بیچ میں اسوقت

کو دپڑے جب آزادی وطن کے معرکہ کے مردمیدان اپنا کام ختم کررہے تھے لیکن جب یہ گرد بیٹھ گئی اور اس ملک کی ہٹی ہوئی چول اپنی جگہ پر آگئی اور آزادی کا وہ خواب پورا ہوا جو ہم برسوں سے دیکھ رہے تھے تو ہماری نگاہیں اس کے اصلی نتائج کے لئے اٹھیں، اور ہم کو ان سب باتوں کا انتظار ہوا جن کا ہم نے خود دوسروں سے وعدہ کیا تھا۔

ہمارا یہ انتظار بے جا نہ تھا، اب ملک کے سیاہ سپید کے مالک وہ لوگ تھے جو حکومت کی کرسی پر جست لگا کر اچانک نہیں پہنچ گئے تھے۔ ان کو بغیر کسی محنت ولیاقت کے اس طرح اتنی بڑی سلطنت نہیں مل گئی تھی جس طرح پہلے زمانہ میں کاہل شہزادوں اور نالائق وارثوں کو مل جایا کرتی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے بیس بئیس تیئس تیس برس لگاتار آزادی کی لڑائی لڑی تھی۔ برسوں جیل کاٹی تھی۔ مہینوں چکی چلائی تھی۔ جائدادوں اور بڑی بڑی اسامیوں پر لات مار کر محنت ومشقت کی زندگی اختیار کی تھی، بلند مقصد کی خاطر بڑے بڑے فائدوں اور عزتوں کو ٹھکرایا تھا۔ ان سے بڑھ کر اس بھروسہ کے قابل کون تھا۔ کہ وہ اس ملک کے سچے ہمدرد اور بہی خواہ ثابت ہوں گے اور اس ملک کو خوشحال اور اس دیس کے رہنے والوں کو سکھی بنادیں گے۔ ان کو اپنے عیش وآرام، ذاتی فوائد اور مواقع کو ملک والوں کے فائدے اور عوام کے آرام کی خاطر قربان کرنے میں ذرہ برابر تامل نہ ہوگا، بددیانتیوں ناجائز طرفداریوں اور بے اصولیوں سے بہت بلند ثابت ہوں گے۔ دولت وعزت اور اقتدار کی خواہش ان کو سیدھے راستہ سے بال برابر بھی نہ کھسکا سکے گی۔ اس لئے کہ تعلیم ایسی ہی تربیت اور

قربانیوں میں کوئی جماعت ان سے لگا نہیں کھاتی، اگر ذمہ داری کا احساس پیدا کرنے کے لئے اور قوت و دولت کے نازک امتحان میں کامیاب بنانے کے لئے یہ تین قابلیتیں شرط ہیں تو اس کی شرط بدی جاسکتی تھی کہ اس جماعت کی اسس امتحان میں کامیابی یقینی ہے۔

لیکن ہماری امید اور ظاہری قیاس کے بالکل خلاف ہم کو جو نظر آرہا ہے اس کے بعد بے اختیار زباں پر آتا ہے کہ پھر ؎

کیا کسی کا گلہ کرے کوئی؟

لیکن بڑے ادب کے ساتھ مجھے اپنے ملک کے سیاسی رہنماؤں اور ذمہ داروں سے یہ عرض کرنا ہے کہ خدا نے ان کو سوچنے والا دماغ دیا ہے وہ صرف جنگ آزادی کے تجربہ کار سپاہی نہیں ہیں بلکہ ان میں بہت سے سیاست، قانون، فلسفہ اور تاریخ کے بھی عالم ہیں ان کی سطح یہ نہیں ہے کہ وہ اس افسوسناک حقیقت پر آنسو بہا کر اور کانگریس کے اور حکومت کے ذمہ داروں کو تنبیہ اور ملامت فرما کر خاموش ہو جائیں۔ ان کو اس عجیب و غریب گتھی کو سلجھانا چاہیئے کہ اعلیٰ تعلیم اور تربیت اور بے داغ قربانیوں کے بعد کیا وجہ ہے کہ ہمارے پختہ کار سپاہی سیاست کی خونریز لڑائی جیتنے کے بعد دولت و قوت کے پُرامن معرکہ میں بازی ہار جائیں اور جو کانٹوں سے اپنا دامن بچالے گئے صاف راستہ میں دامن سلامت نہ رکھ سکیں؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہماری سیاسی جدوجہد اور قومی تعمیر کی کوشش میں کوئی ایسی چوک رہ گئی ہے جس کی وجہ سے اب ہماری قبائے آزادی میں جگہ جگہ جھول پڑ رہے ہیں اور یہ قیمتی جامہ جگہ جگہ سے مسک رہا ہے؟

اصل واقعہ یہ ہے کہ ہماری قومی زندگی اور ہماری دماغی رہنمائی اور تربیت نے ضمیر کو بیدار اور ہر وقت خبردار رکھنے والی اور اس کو بے اختیاری اور خود مختاری کی دو مقابل حالتوں میں یکساں پابند قانون اور پابند اخلاق بنانے والی اصل طاقت کو عرصہ دراز سے نظر انداز کر رکھا ہے، مذہب کی زبان میں اس کو "ایمان وعقیدہ" کہتے ہیں، اس کے دو حصے ہر مذہب میں مانے گئے ہیں۔ ایک خدا پر ایمان اور اس بات کا یقین کہ وہ ذرہ ذرہ سے واقف، اندھیرے اجالے کا دیکھنے والا اور جزا و سزا کا مالک ہے، دوسرے مرنے کے بعد کی زندگی پر ایمان اور اس بات کا یقین کہ وہاں اس دنیا کی زندگی کے ذرّہ ذرّہ رتی رتی کا حساب دینا ہوگا اور عمر بھر کا کیا سامنے آئے گا۔

یہ وہ طاقت ہے جس کا قائم مقام دنیا کا کوئی سیاسی یا اخلاقی نظام اور فلسفہ ابھی تک پیدا نہیں کر سکا۔ جہاں یہ خانہ خالی رہ گیا ہے خالی ہی چلا جا رہا ہے اور اس کی بھرتی کسی قانون اور ضابطہ سے نہیں ہو رہی ہے اس کمی کی وجہ سے زندگی میں رہ رہ کر جھول پڑتے ہیں، ایک جھول دور کیجیے تو دس جھول اور پڑ جاتے ہیں۔

ہندوستان میں بھی یہ بہت بڑی طاقت تھی اور تاریخ میں ہم اس طاقت کے بڑے بڑے کرشمے دیکھتے ہیں لیکن کڑوی مگر سچی بات یہ ہے کہ ہمارے ملک کی یہ طاقت عرصہ دراز سے کمزور ہو چکی ہے۔ روحانی فلسفوں اور بحثوں میں بال کی کھال نکالنے کی جو عادت یہاں رہی ہے اس نے اس کی روح کو کچل کر رکھ دیا کوئی ایسا بڑا اور ذی مصلح بھی پیدا نہیں ہوا جو ہزاروں برس کے اس

پرانے مذہبی ڈھانچے میں جان ڈال دے، رہی سہی طاقت کو مغرب کی مادہ پرستی اور آخر زمانہ کی لامذہبیت نے ختم کردیا۔ غرض اب اس عقیدہ میں اتنی جان نہیں کہ موجودہ زندگی کے اس بھاری بھر کم رتھ کے اس بڑے پہیہ کو گھما سکے اور اس کی طاقت کے بل پر خواہشات کے منہ زور گھوڑے کا منہ پھیرا جا سکے۔

اس عرصہ میں آزادی کی جنگ شروع ہوئی وہ خالص مغربی سیاست کے اصولوں اور بنیادوں پر لڑی گئی۔ سارا جھگڑا صرف پیٹ اور جیب و زر اور زمین کا تھا، اور شروع سے آخر تک صرف "مادی اقدار" (MATERIAL VALUES) کا تھا۔ اس میں نہ کہیں اوصاف کی بحث تھی، نہ اخلاق کی، نہ ایمان و عقیدہ کی کوئی شرط تھی، نہ خدا ترسی کا کوئی امتحان۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جب اس گروہ کو جس کی ساری تربیت اس ماحول میں ہوئی تھی ملک کی کنجیاں مل گئیں اور اس نے حکومت و قوت کے اس راستہ پر قدم رکھا جو کانٹوں سے بھرا اور گہری خندقوں سے گھرا ہوا تھا تو ان کو امانت و دیانت اور اصول و اخلاق کی نازک پٹری پر ثابت قدم رکھنے کے لئے صرف کچھ قانونی اصطلاحات و ضوابط تھے جن سے نکلنا ان کے لئے بہت آسان تھا۔ اب اگر وہ گروہ جس کی ساری ذہنی تربیت پیٹ اور جیب کے ماحول میں ہوئی۔ اور جس کے سامنے زندگی کی کوئی اور دوسری جیتی جاگتی حقیقت نہ ہو، اسی پیٹ اور جیب کی خاطر نفع خوری، خیانت، رشوت ستانی اور چور بازاری کے جرائم کا ارتکاب کرے تو تعجب کی کیا بات ہے؟

پھر آج ہماری سوسائٹی، ہمارے ادب اور ہماری زندگی کے تمام میدانوں

میں دولت کی جو حد سے بڑھی ہوئی اہمیت اور دولتمند اور عہدہ دار کی بندگی کی حد تک پہنچی ہوئی عزت ہے اور اس ملک میں دولت کو جو مذہبی تقدس حاصل رہ چکا ہے اور اب زندگی کا میعار جس طرح روز بروز اونچا ہوتا جا رہا ہے، گرانی صبح و شام بڑھ رہی ہے اور غیر ضروری سامان اور تعیشات (LUXURIES) کی بازاروں میں بھرمار ہے اس سب کے ہوتے ہوئے اگر وہ لوگ جو اخلاقی احساس اور مذہبی تربیت سے محروم ہیں، سوسائٹی کے معیار پر پورا اترنے کے لئے اور گھر کی نہ ختم ہونے والی فرمائشوں کو پورا کرنے کے لئے کبھی کبھی بددیانتیوں اور بے اصولیوں سے مدد لے لیا کریں تو حیرت کی کیا بات ہے؟

آج ہمارا ریڈیو، ہمارا پریس، اخبارات و رسالے، ناول اور قصے، ادب اور فلسفہ، سینما اور تصویریں، ہماری گھریلو زندگی اور خاندانی تقریبیں، دوستوں کی محفلیں اور تفریحی کلب سب مل کر دولت مند اور معزز بننے کے جذبے اور شوق کو بڑھا رہے ہیں۔ اور اس کی آگ کو بھڑکا رہے ہیں اور اس جذبہ کے خلاف ملک بھر میں ایک بھی اخلاقی تحریک اور طاقتور آواز نہیں، اس بنا پر اگر کوئی تاجر یا ملازم جلد یا زیادہ دولتمند بننے کے لئے خشک اخلاقی اور بے جان "قاعدے قانون" کی پرانی ڈگر کو چھوڑ دیتا ہے اور اخلاقی پستی میں اتر جاتا ہے اس پر ہم کو چاہے کتنا دکھ ہو تعجب کرنے کا حق نہیں۔

شاید اس کے جواب میں کہا جائے کہ آج سارا یورپ اور امریکہ عملاً لا مذہب اور خدا اور آخرت کے عقیدے سے بالکل خالی ہے پھر اس کا اخلاقی اور اصولی معیار کیوں قائم ہے اور کیوں اس کے نظام حکومت میں وہ

بے اصولیاں اور بداخلاقیاں نہیں ملتیں جو ہمارے ملک میں اتنے تھوڑے دنوں کے اندر نظر آنے لگی ہیں؟

میں عرض کروں گا کہ یورپ اور امریکہ کے متعلق یہ خیال صحیح نہیں اس کا اخلاقی معیار اس کی تعلیم وتہذیب کے مطابق نہیں، جو اپنے ملک سے اپنے جیسے انسانوں کی گنجان شہری آبادیوں (ہیروشما اور ناگاساکی) پر ایٹم بم گرا کر لاکھوں انسانوں، معصوم بچّوں اور بے گناہ عورتوں کو ہلاک اور جیتے جاگتے شہروں کو خاک کا ڈھیر بنا سکتا ہے اور جس ملک کا سب سے بڑا انسان جس کو اس ملک کا سب سے بڑا اعتماد حاصل ہے محض انتخاب جیتنے اور زیادہ ووٹ حاصل کرنے کے لئے کروڑوں عربوں کے جائز وفطری مطالبے کے خلاف پوری بے حیائی سے یہودیوں کو تقسیم فلسطین کی منظوری اور پھر یہودی ریاست کو تسلیم کرنے کی رشوت دے سکتا ہے اور جس یورپ کا ایک ذمہ دار ترین انسان (لارڈ ماؤنٹ بیٹن) اپنے ملک میں عزت اور تاریخ میں جگہ حاصل کرنے کے لئے فسادات کی روک تھام سے عمداً پہلو تہی کر کے لاکھوں بے گناہ انسانوں کی ہلاکت ومصیبت کا سبب بن سکتا ہے اس ملک کو مہذب وبا اصول کہنا، اصول وتہذیب پر دھبہ لگانا ہے۔

البتہ اتنی بات صحیح ہے کہ تعلیم، صدیوں کی حکومت کی عادت اور شہریت کے احساس نے اس کے معیار اخلاق کو نیچی اور اوچھی باتوں سے بلند کر دیا ہے۔ اس کی اخلاقی بدعنوانیاں اور بے اصولیاں ذرا مہذب اور خوش نما (REFINED) ہیں، بدقسمتی سے طویل غلامی اور جنگ آزادی کی مصروفیت نے ہمارے قومی رہنماؤں

کو اس کا بھی موقع نہیں دیا کہ عوام کی ذہنی سطح بلند ہو ان میں شہری زندگی کا احساس اور انسانیت کا احترام پیدا ہو اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ سلوک کرنے میں ذرا فراخ حوصلگی اور فیاضی سے کام لیں۔

اس موقع پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اچھا اگر خدا کا یقین اور دوسری زندگی کا عقیدہ اخلاقی احساس اور پختگی پیدا کرسکتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو بے اصولیوں ناجائز طرفداریوں، نفع خوری، رشوت ستانی اور دولت کی بڑھی ہوئی ہوس سے روک سکتا ہے تو اسلامی ملکوں میں یہ خرابیاں کیوں پائی جاتی ہیں ان ممالک کو تو جنت نظیر ہونا چاہیئے تھا جہاں نہ بداخلاقی ہو، نہ بے اصولی، نہ زیادتی نہ بددیانتی؟

میں صفائی سے عرض کروں گا کہ ان ملکوں میں کوئی بھی اس تعلیم اور عقیدے کا مکمل نمونہ نہیں ہے اور کوئی بھی سند کی حیثیت نہیں رکھتا اور اس میں ذرا برابر بھی شک نہیں کہ وہاں کی ساری خرابیاں اسی عقیدے کی کمزوری اور اسی تربیت کی کمی اور ان لوگوں کے اقتدار کا نتیجہ ہیں جن کی اخلاقی تربیت اور ایمانی سیرت کچی رہ گئی ہے، اور دولت کی محبت اور زندگی کی ہوس کا روگ ان کو بھی لگ گیا ہے۔ اگر ایسے ملکوں میں جن کو اکثر بے سوچے اسلامی ملک کہہ دیا جاتا ہے اس قسم کی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ تو وہ اسی عقیدے کی کمزوری کا نتیجہ ہیں۔

اس خرابی کا علاج دونوں جگہ یکساں ہے۔ اگرچہ علاج کے مؤثر ہونے کے بارے میں ضرور اس فاصلہ کا فرق ہوگا۔ جو اصل مذہبی تعلیم سے اس ملک میں پیدا ہو چکا ہے جہاں یہ مذہبی تعلیم محفوظ ہے وہاں یاد دہانی اور تنبیہ کافی ہوگی۔ اور جہاں اصل مذہب اور پیغمبروں کی تعلیم بہت کچھ مٹ چکی ہے وہاں زیادہ کوشش

اور روحانی طاقت کی ضرورت ہوگی۔

آج تو نہیں لیکن تاریخ کے جس دور میں اس عقیدہ اور اس تربیت نے زندگی میں اپنی جگہ پیدا کرلی تھی اور اس کی جڑوں نے زمین پکڑ لی تھی وہاں ان بے اصولیوں ، بے عنوانیوں اور زیادتیوں کا نام ونشان نہیں ملتا۔ جن لوگوں کی تاریخ پر نظر ہے ان کو معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو خلیفہ اول تھے زمانۂ خلافت میں اپنی بیوی کی جمع کی ہوئی رقم کو جو انہوں نے پیسہ پیسہ جوڑ کر اس لئے بچائی تھی کہ اس پھیکی سیٹھی زندگی میں ایک دن منہ میٹھا کریں گے۔ یہ کہہ کر عام مسلمانوں کے خزانہ میں داخل کر دیا تھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہماری ضرورتوں سے فاضل ہے آئندہ سے اتنے پیسے کم کر کے ہم کو روزینہ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ کی سادہ زندگی تاریخ میں مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے اپنے بیٹے (عبداللہ بن عمرؓ) کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص صحابی اور بڑے عالم اور دیانتدار تھے خلیفہ منتخب ہونے اور خلیفہ کا انتخاب کرنے کا حق نہیں دیا اور فرمایا کہ ہمارے خاندان میں ایک ہی آدمی اس بوجھ اور ذمہ داری کے لئے کافی ہے۔ حضرت علیؓ کی اپنی خلافت کے زمانہ میں فقیرانہ زندگی اور احتیاط کا یہ حال تھا کہ ان کے حقیقی بھائی عقیلؓ ان کے ساتھ نہ رہ سکے۔ اور انہوں نے اپنے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباس سے بھی غیروں کی طرح پائی پائی کا حساب لیا۔

شاید کہا جائے کہ یہ دنیا کی ترقی اور تمدن سے پہلے کی باتیں ہیں جب زندگی نہایت سادہ ، ضروریات کم ، اور خرچ مختصر تھے مگر ایک باخبر انسان سے یہ بات چھپی نہیں ہے کہ یہ عرب رومی اور ایرانی سلطنت اور ان کے ان خزانوں اور

دولتوں کے مالک ہوئے تھے جو انہوں نے سینکڑوں برس میں جمع کی تھیں اگر وہ چاہتے تو ایک وقت میں رومی و ایرانی خزانوں کی مدد سے ان کی راجدھانی میں بیٹھ کر وہ عیش کرتے اور اس طرح کھل کھیلتے جو رومی و ایرانی بادشاہ بھی نہیں کر سکتے تھے، اس لئے کہ دونوں بڑی مغربی و مشرقی شاہنشاہیاں ایک وقت میں ان کے ہاتھ لگی تھیں مگر ان کی پچھلی سادہ زندگی، ان کی فقیرانہ رہائش اور ان کی جفاکشی میں کوئی فرق نہ آیا۔

پھر اس کا بھی لحاظ رہے کہ آج جن کو عہدے اور ملک کی باگ ڈور ملی ہے وہ ملک کی آزادی سے پہلے بھی کھاتے پیتے لوگ تھے وہ روپے پیسے کے بھوکے اور مال و دولت کے ترسے ہوئے نہیں تھے۔ لیکن وہ لوگ جو کسریٰ اور قیصر کی سلطنت کے مالک ہوئے تھے انہوں نے ساری عمر غریبی میں بسر کی تھی۔ انہوں نے کبھی خواب میں بھی وہ سامان نہیں دیکھا تھا جو ان کو ایران اور شام کے شہروں میں ہاتھ لگا۔ وہ فاقہ کرتے کرتے کپڑوں پر چیتھڑوں کے پیوند لگاتے لگاتے اور ببول کے کانٹوں سے ان کو اٹکاتے اٹکاتے ایک دم سے بے اندازہ دولت کے مالک اور زمین کے سب سے بڑے زرخیز و متمدن علاقوں کے بادشاہ بن گئے تھے مگر اس سے نہ ان کے مزاج میں کوئی فرق آیا، نہ طرز رہائش میں، جب تک یہ اخلاقی تربیت اور ایمانی سیرت باقی رہی وہ بد اخلاقیاں اور بے عنوانیاں ظاہر نہیں ہونے پائیں جو ایک ایسی ریاست کا خاصہ ہیں جو عملاً غیر مذہبی (SECULARSTATE) ہو خواہ قانونی یا اصطلاحی طور پر مذہبی کہلاتی ہو جیسا کہ مسلمانوں کی اخلاقی گراوٹ کے زمانہ میں نظر آتا ہے۔

جو لوگ اس ملک کی ضرورتوں پر گہری نظر رکھتے ہیں اور وقتی جذبات ان پر غالب نہیں ہیں وہ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ اس وقت ملک کی سب سے بڑی ضرورت اس اخلاقی احساس کی بیداری اور احساس کی ذمہ داری ہے جو بااختیار طبقہ کو ان بے عنوانیوں، زیادتیوں، ناانصافیوں، تنگ نظری، اعزہ پروری ناجائز طرفداری کی نیچی سطح سے بلند کرے۔ تجار و ملازمین کو حد سے بڑھی ہوئی نفع خوری رشوت ستانی اور چور بازاری سے محفوظ کرے اور اس طرح ملک کو اس عام ابتری بے نظمی، بے روزگاری، ہوشربا گرانی اور قحط سالی سے بچالے جس کا قریبی خطرہ سر پر کھیل رہا ہے۔ اور جس کی موجودگی میں آزادی کی جنت مصیبتوں اور پریشانیوں کی جہنم بن جاتی ہے شاید کسی کو اس حقیقت سے انکار نہ ہوگا کہ ہماری تمام علمی، ادبی، تہذیبی (CULTURAL) اور لسانی (LINGUISTIC) ضرورتوں پر یہ اخلاقی ضرورت مقدم ہے، فرض کر لیجئے اس ملک کا ایک ہی کلچر ایک ہی تہذیب اور ایک ہی زبان ہوگئی لیکن ان بداخلاقیوں کا خاتمہ نہ ہوا جن کی وجہ سے زندگی مشکل ہو رہی ہے تو کیا اس سے اس ملک کی اصلی ضرورت پوری ہوگئی اور کیا ان بداخلاقیوں اور بدعنوانیوں پر پردہ پڑ جائے گا۔ اگر دنیا کے جرائم پیشہ اور بداخلاق انسان جنکی اخلاقی سطح پست اور جن کی زندگی گھٹیا ہو ایک ہی کلچر اور ایک ہی زبان اختیار کر لیں تو کیا دنیا کی کوئی تہذیب اور کوئی عدالت ان کا گناہ معاف کر دے گی، کیا اگر تمام دنیا کے ڈاکو ایک ہی وردی پہن لیں اور ایک ہی بولی بولنے لگیں تو یہ کوئی خوشی اور اطمینان کی بات ہوگی اس لئے ایک ہوشمند انسان سے اسکی توقع کرنی چاہیئے کہ وہ اصل توجہ ان بیماریوں کی طرف کرے گا جو ہمارے ملک

کو گھن کی طرح کھا رہی ہیں، اور اس کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہی ہیں۔

ان بیماریوں کا علاج ایک صحیح توانا خود زندہ اور دوسروں میں زندگی پیدا کر سکنے والے مذہب کے سوا نہیں ہے جو اپنے ماننے والوں میں خدا کا سچا یقین اور اس سے زندگی میں زندہ تعلق، مرنے کے بعد کی زندگی کا عقیدہ اور وہاں کی پوچھ گچھ کا کھٹکا پیدا کرے جو اس زمانہ کی مادیت اور دنیا کی بڑھی ہوئی ہوس کو اپنی روحانی طاقت سے دبائے، جو انسانوں کی خواہشات ان کے قیاسات اور ان کے صبح و شام کے بدلنے والے معلومات اور تجربوں سے اتنا اونچا ہو کہ ہر زمانہ کی ضرورتوں اور زندگی کے نئے نئے مسائل کو حل کر سکے اور جس کو خود کبھی بدلنے کی ضرورت نہ ہو۔ جو انسانوں کے بنائے ہوئے چھوٹے چھوٹے گھروندوں اور بچوں کی طرح کھینچی ہوئی ملک و وطن کی چھوٹی چھوٹی لکیروں سے بے نیاز ہو کر ساری انسانیت سے تعلق رکھتا ہو اور آدم کے پورے کنبہ کو ایک آنکھ سے دیکھتا ہو جس کی بنیاد کسی زمانہ کی رسموں، رواجوں اور عادتوں پر نہ ہو جس کی وجہ سے بڑھتی ہوئی انسانیت اور دوڑتی ہوئی زندگی کو پیچھے کی طرف لوٹنا اور اپنی صدیوں کی محنتوں پر پانی پھیرنا پڑے بلکہ کچھ اٹل اصولوں اور پائدار حقیقتوں پر ہو جن کے اندر ذہن اور دماغ کو اپنی ذہانت دکھانے اور زندگی کی رگوں میں تازہ خون پہنچانے کی گنجائش ہو، جس کے پاس دونوں زندگیوں، دنیا و آخرت، دونوں حالتوں، فقر و امارت، دونوں طبقوں، مرد و عورت کے لئے زندگی کے مکمل قوانین اور آداب ہوں۔ جس کے پاس ایک ایسے کامل انسان کی زندگی کی ایسی کامل اور محفوظ تاریخ ہو جس سے انسانوں کے ہر طبقہ کے ہر

فرد، ہر فرد کی ہر منزلِ زندگی کے لئے روشنی اور ہدایت ملتی ہو۔

اس ملک کے رہنماؤں اور حکومت کے ذمہ داروں کو خدا نے ایک بہت بڑی قوم کی امانت سپرد کی ہے اور دل و دماغ کی بہت سی صلاحیتیں بخشی ہیں۔ اگر میری کمزور آواز ان تک پہنچ سکے تو میں ادب سے عرض کروں گا کہ دیکھئے کہیں یہ قوتیں چھوٹی چھوٹی باتوں اور چھوٹے چھوٹے کاموں میں صرف ہو کر نہ رہ جائیں، ایک مرتبہ جرأت اور ہمت سے کام لے کر قوم کو انسانی زندگی کی اصل منزل کا راستہ دکھا دیجئے، اس کو وطنیت و قومیت کے قیدخانہ اور جسم و مادہ کے اس تنگ آشیانہ سے نکال کر خدا پرستی، انسان دوستی اور اعلیٰ روحانیت کی اس وسیع دنیا میں پہنچا دیجئے جس جغرافیہ میں مشرق و مغرب کی تفریق اور جس کے زمانوں میں ماضی و حال کی تقسیم نہیں۔ جہاں خدائے واحد اس کا معبود، ساری انسانی برادری اس کا کنبہ، ہر سچی اور میٹھی زبان اس کے دل کی ترجمان، ہر صحیح علم و ادب اس کا ذخیرہ، حکمت کی ہر بات اس کا گم شدہ مال ہو، اگر آپ نے ایسا کیا تو ہندوستان نہ صرف اپنی آزادی اور عزت ہی برقرار رکھ سکے گا، بلکہ قوموں کی سرداری اس کے ہاتھ میں آجائے گی، اور اس کا یہ نیا دور اس کی پُرانی تاریخ کے ہر اس دور سے زیادہ باعظمت اور شاندار ہوگا جس کا زندہ کرنا آپ کی زندگی کا خاص مقصد معلوم ہوتا ہے۔

اپنے سماج کی جلد خبر لیجیے

۶

ملک کا سب سے بڑا مسئلہ جس پر عام سیاسی
رہنماؤں اور ملک کے سچے خیر خواہوں کو پوری
توجہ کرنی چاہیئے وہ ہے ملک کی اخلاقی اصلاح
سماجی سدھار اور ذمہ داری کا احساس۔ یاد
رہے جب سوسائٹی اخلاقی طور پر دیوالیہ اور
معنوی حیثیت سے کھوکھلی ہو جائے تو اس کو
نہ حکومت بچا سکتی ہے نہ جمہوری نظام نہ
ایک زبان اور ایک کلچر۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اپنے سماج کی جلد خبر لیجئے

قوموں کی زندگی کے اُتار چڑھاؤ اور دنیا کی تاریخ پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ قومی اور سیاسی زندگی میں سوسائٹی ریڑھ کی حیثیت رکھتی ہے۔ صحیح اخلاقی اور پختہ سیاسی سمجھ اور ایک اچھی سوسائٹی حکومت کو پیدا کرتی ہے۔ اس کی تنظیم کرتی ہے، اس کو ترقی دیتی ہے، نراج سے اس کی حفاظت کرتی ہے، جب اس کی رگیں خشک ہونے لگتی ہیں اور اس میں بڑھاپے کی علامتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں تو اس کی رگوں میں تازہ اور گرم خون پہنچاتی ہے، اس کو وقت پر ذمہ دار، پرجوش اور کام کے آدمی دیتی ہے، حقیقت میں مہذب و منظم سوسائٹی جو یقین کی دولت، اصول و اخلاق کا سرمایہ، فرض کا احساس اور ایثار و قربانی کا جذبہ رکھتی ہے وہ سرچیون ہے جس سے خوشحالی، آزادی اور ترقی کی نہریں نکلتی ہیں اور پورے ملک کو ہرا بھرا رکھتی ہیں، اگر سوسائٹی میں اخلاق کی گراوٹ و بے اصولی اور خود غرضی، خوشامد، طاقت و دولت سے مرعوبیت بزدلی اور ظلم کا چلن عام

ہوجائے تو یوں سمجھئے کہ زندگی کا سوتا خشک ہوگیا اور قومی زندگی کے درخت کو گھن لگ گیا، حکومتوں کا الٹ پھیر، طاقت کی بہتات، ملک کی پیداوار، تعلیم کی ترقی اور ظاہری دھوم دھام کوئی چیز اس قوم کو تباہی سے نہیں بچا سکتی جب کسی درخت کی رگیں اور جڑیں سوکھ جائیں اور وہ اندر سے کھوکھلا ہوجائے تو اوپر سے پانی ڈالنے سے کام نہیں چلتا۔

دنیا کی تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، روم کی سلطنت کا دنیا میں ڈنکا بجتا تھا، کم کسی قوم نے ایسے اچھے منتظم، قانونی دماغ اور اعلیٰ فوجی افسر پیدا کئے ہوں گے جیسے رومی قوم نے، لیکن جب رومی سوسائٹی کو بداخلاقی اور عیش پرستی کا روگ لگ گیا اور اس کے جسم میں ظلم، ناانصافی اور ناجائز طرفداری کا زہر دوڑ گیا تو اس کی قسمت کا ستارہ گردش میں آگیا، اور اس کو اندر اور باہر کے دشمنوں نے دبوچ لیا، وہ روم جس کی تمام دنیا میں دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ یورپ کی نیم وحشی قوموں کے حملوں سے اپنی زندگی سے تنگ تھا نہ راتوں کو میٹھی نیند نصیب تھی نہ دن کو چین، پھر چھٹی صدی عیسوی میں ایرانیوں نے اس کے مشرقی حصہ پر حملہ کرکے اس کی عزت خاک میں ملادی، نوے ہزار آدمیوں کو قتل کیا اس کی تمام نوآبادیوں اور ملکوں پر قبضہ کرلیا اور اس کے پائے تخت قسطنطنیہ کو گھیر لیا، پھر اس کے چند برس بعد ہی جب رومیوں کو بہ مشکل سنبھلنا نصیب ہوا تھا، عرب کی مٹھی بھر بے حقیقت فوجوں نے دھاوا بول دیا۔ روم کی سوسائٹی اخلاقی حیثیت سے اتنی کمزور اور کھوکھلی ہوگئی تھی کہ ہرقل (HARACILUS) جیسا لائق جنرل اور دلیر بادشاہ جس نے اپنی تنظیمی قابلیت اور فوجی لیاقت سے اپنے ملک سے نکال کر ایران کے

قلب میں اپنا ردمی جھنڈا گاڑ دیا تھا، ایرانی حکومت کو الٹ پلٹ کر کے رکھ دیا تھا، اس گرتی ہوئی روحی سوسائٹی کو تھام نہ سکا اور عربوں کو جن میں دین کا جوش، شہادت کا شوق اور اخلاق کی طاقت تھی اپنا ملک حوالہ کر دینا پڑا۔

یہی ایران میں ہوا جہاں دن رات ہن برستا تھا جہاں کی دولت اور فوجی طاقت کا کوئی ٹھکانا نہ تھا لیکن برسوں سے بداخلاقی اور بے اصولی کا کیڑا لگ چکا تھا جو اندر سے اس برگد کو کھا رہا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ یزدگرد جیسا مستقل مزاج بادشاہ اور رستم جیسا تجربہ کار فوجی جنرل بھی اس ملک کو بچا نہ سکا اور عربوں نے دونوں مشرقی اور مغربی شہنشاہیوں کو اپنے انتظام میں لے لیا۔

بغداد کی عباسی خلافت کا دنیا میں طوطی بولتا تھا۔ خوارزم شاہ کی سلطنت اپنے زمانہ میں روئے زمین کی سب سے بڑی سلطنت تھی لیکن مسلمانوں کی سوسائٹی روح سے خالی اور اخلاقی کمزوریوں سے داغدار ہو چکی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ تاتاریوں کا سیلاب کسی کے روکے نہ رکا۔ سینکڑوں برس کا تمدن اور علم و تہذیب کا ذخیرہ ان نیم وحشی حملہ آوروں کے ہاتھوں خاک میں مل گیا۔ اس وقت اگر اسلام نے تاتاریوں پر اخلاقی فتح نہ حاصل کر لی ہوتی اور ان کے دل کو نہ بدل دیا ہوتا تو مسلمان سوسائٹی اپنی عمر پوری کر چکی ہوتی۔

دور کیوں جایئے پہلی اور دوسری لڑائی میں فرانس کو اپنی اخلاقی کمزوریوں، تعیش پسندی کی وجہ سے سخت زک اٹھانی پڑی۔ اگر اتحادی اس کو سہارا نہ دیتے تو یہ قوم جس نے اپنی ذہانت اور بہادری کا کبھی سکہ بٹھا دیا تھا۔ اور نپولین جیسا جنرل اور انقلاب کے زمانہ کے دلیر اور نڈر لیڈر پیدا کئے تھے

چل ہی بسی تھی۔ اسی طرح مسولینی کی قابلیت اور نازیوں کی امداد اٹلی کی کھوکھلی سوسائٹی اور ہوا سے پھولے ہوئے جسم کو مقابلہ میں نہ جما سکی۔

ہماری ہندوستانی سوسائٹی پرانے زمانہ میں اپنے فلسفہ و حکمت اور ادب وشاعری میں نیز اخلاقی جرأت، سچائی، ایمانداری اور بے لاگ پن میں کہاوت کی طرح مشہور تھی، یہاں کی اخلاقی کہانیاں اور اخلاق کے اعلیٰ اصول سوغات کی طرح دیس دیس جاتے تھے۔ پانچویں صدی میں ایران نے جو علم و تہذیب کا مرکز تھا ایک بہت بڑا عالم بھیجا تاکہ وہ یہاں کی اخلاقی تعلیم اور اخلاقی کہانیوں کا پہلوی زبان میں ترجمہ کرے، عربوں نے بھی اپنے دور میں ان کہانیوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ آج بھی اس کا ترجمہ "کلیلۃ و دمنۃ" ایک سدا بہار کتاب ہے۔ چینیوں نے اپنی دانائی اور بانے ہوئے علم کے باوجود اس ملک کے علم و حکمت کے خزانوں سے برابر فائدہ اٹھایا اور اپنے بڑے بڑے فلسفیوں اور مذہبی عالموں کو بھیج بھیج کر اس ملک کی استادی اور بڑائی کا اقرار کیا۔ آج بھی اس کی پراچین کہانیوں اور گیتا اور رامائن میں بڑی بڑی سچی اور گہری باتیں ہیں۔

دسویں صدی میں ہندوستانی سوسائٹی بہت گر چکی تھی، خود غرضی اور ذاتی عداوتوں کا سارے ملک میں جال پھیلا ہوا تھا۔ روحانیت اور خدا پرستی بہت کم رہ گئی تھی، دولت (لکشمی) نے معبود کی صورت اختیار کر لی تھی، لٹریچر، مذہب، صنعت، مصوری، نقاشی اور عبادت گاہوں تک میں شہوانیت اور عریانی سرایت کر گئی تھی، سوسائٹی میں بلا کی اونچ نیچ تھی، شریف و رذیل میں انسان اور جانور سے زیادہ فرق تھا۔ اخلاقی طاقت بہت کمزور ہو چکی تھی ایسی حالت میں وسط

ایشائ سے ایک تازہ دم قوم آئی جس میں اخلاقی طاقت زیادہ تھی، یہ مسلمان تھے جنہوں نے اس ملک کا انتظام سنبھال لیا انہوں نے ہندوستانی سوسائٹی کو ترقی دی اور سابق صدر کانگریس ڈاکٹر پٹابھی کے الفاظ میں "یہاں کے کلچر کی دولت میں اضافہ کیا اور اس ملک کی سماجی زندگی اور ادب کو گہرے طور پر متاثر کیا[۱]" انہوں نے اس کی رگوں میں تازہ خون پہنچایا، مساوات، انسان دوستی، روحانی ومادّی توازن واعتدال کا پیغام دیا۔ خالص توحید اور نبوّت ورسالت کے مفہوم سے آشنا کیا۔ انہوں نے یہاں کی تاریخ اور ادب میں سچائی اور دیانتداری، اخلاقی بہادری اور زہد وپاکیزگی کے بعض بڑے دلکش نمونے شامل کئے اور بعض ایسے خدا سے ڈرنے والے پاک وصاف زندگی گزارنیوالے بادشاہ، حق کہنے والے اور نیک مشورہ دینے والے وزیر، موت سے نہ ڈرنے والے بادشاہ کو ٹوک دینے والے، دنیا کی لالچ سے آزاد درویش اور عالم پیدا کئے جن کی زندگی اس ملک کا ایک قیمتی خزانہ ہے۔

دوسرے ملکوں کی تاریخیں آسانی سے ایسے بلند اخلاقی نمونے پیش نہیں کر سکتیں، انہوں نے کئی مرتبہ اس ملک کی گرتی ہوئی اخلاقی طاقت کو ابھارا اور بے اصولی سماج کے بیمار جسم میں طاقت وصحت پہنچائی اور ملک کو عام اخلاقی زوال سے بچالیا۔

لیکن رفتہ رفتہ ہندوستانی سماج مختلف قسم کی اخلاقی اور روحانی بیماریوں کا شکار ہوتا چلا گیا۔ بے اصولی، عیش پسندی، خود غرضی، جعلسازی پیدا ہوگئی، مسلمان جو کبھی ہندوستانی سماج سنبھالنے والے تھے اب اخلاقی اور سماجی خرابیوں کے

---

[۱] خطبہ صدارت اجلاس جے پور ۴۸ء

شکار بلکہ اصلی ذمہ دار تھے، خانہ جنگی، ناجائز طرفداری، بے جا پاسداری، بے وفائی، وعدہ خلافی کا دور دورہ تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کا انتظام درہم برہم ہوگیا، شہروں میں اطمینان اور راستوں میں امن نہیں رہا، ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک افراتفری مچی تھی، اللہ کا کسی سے رشتہ نہیں وہ اپنی زمین کی تباہی اور اپنے بندوں کی بربادی دیکھ نہیں سکتا، یہاں اس ملک میں کسی میں حکومت کی لیاقت نہیں تھی اس نے سات سمندر پار کی ایک قوم کو بھیجدیا جس میں ملکی انتظام کی قابلیت تھی اور زندگی کا سلیقہ تھا۔ حقیقی اخلاق کا تو اس میں پتہ نہ تھا مگر زندگی کے کچھ ایسے اصول رکھتی تھی جن کی بنیاد پر وہ کچھ مدّت تک کسی ملک کا انتظام کر سکتی تھی اور نئی نئی حکومت چلا سکتی تھی، اس نے سڑکیں بنائیں، ڈاک خانے، تار گھر، شفاخانے جگہ جگہ قائم کئے، ریلیں دوڑائیں، پولیس کا اچھا انتظام کیا، دفتری نظم و نسق قائم کیا لیکن ہندوستانی سوسائٹی کو سخت نقصان پہنچایا۔ اس کے رہے سہے اچھے اوصاف اور ہندوستانی و مشرقی کیریکٹر کی خوبیاں مٹائیں اور نئی خرابیاں پیدا کر دیں جو ایک ایسی حکومت کا لازمی نتیجہ ہیں جس کو رومی سلطنت سے "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کا زرّیں اصول ترکہ میں ملا تھا۔ قومی رقابت، دفتری کاٹ پھانس، اپنے ذرا سے فائدے کے لئے دوسروں کو بڑے سے بڑا نقصان پہنچا دینا، اندرونی سازشیں، مذہب و اخلاق سے بے پروا ہو کر اپنے لئے یا اپنے فرقہ کے لئے یا اپنی برادری، عزیزوں دوستوں کے لئے ناجائز کو جائز کر لینا یہ وہ سبق تھا جو ہندوستانی اہلکاروں اور ملازمت پیشہ لوگوں نے انگریزی حکومت کے دور میں خاص طور پر سیکھا، انگریزوں کی سو برس کی حکومت میں ہندوستانیوں نے

جس فن کی سب سے زیادہ مشق کی وہ کسی مقصد یا فائدے کے لئے دفتری و قانونی ذہانت کو استعمال کرنا اور مہینوں اور برسوں میں آہستہ آہستہ قوانین و اصطلاحات کے ذریعہ اپنے مقصد کو پورا کرنا تھا، رقابت اور دشمنی کی یہ دھیمی آنچ جو دفتروں اور تعلیم گاہوں میں اپنا کام کرتی رہی اس نے ہندو مسلمان افسر و ماتحت کے دلوں میں نفرت و عداوت کا وہ بیج بو دیا جس نے بالآخر ایک کا دوسرے کے ساتھ رہنا مشکل کر دیا، یہی تربیت و ذہنیت ان واقعات کی تنہا ذمہ دار ہے جو اس بدقسمت ملک میں پچھلے دنوں پیش آئے، اس میں نہ کلچر کے کسی اختلاف کو دخل تھا، نہ زبان کی دوئی کو، نہ رسم و رواج کے فرق کو، جو لوگ کلچر یا تہذیب کے اختلاف کو اس عداوت اور خانہ جنگی کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں، وہ واقعات سے چشم پوشی کرتے ہیں اور صریح غلط بیانی سے کام لیتے ہیں، زبان و ادب، تہذیب و معاشرت کا فرق اس ملک میں ہمیشہ رہا لیکن انگریزی حکومت اور اس کی تعلیم گاہوں اور دفاتر سے پہلے وہ عداوت و رقابت کبھی نہیں پیدا ہوئی جو ناسور بن کر ۴۷ء میں بہہ پڑی۔

بیسویں صدی کے شروع میں بدیشی راج کے نقصانات اور تکلیفیں پوری طرح لوگوں پر کھل گئیں۔ مگر جسمانی تکالیف کا احساس زیادہ تھا اور اخلاقی نقصانات کا احساس کم، ہندو مسلمانوں کے میل سے آزادی کی تحریک شروع ہوئی اس وقت اس ملک کی اخلاقی اور سماجی حالت بہت گر چکی تھی اصول اور اخلاقی معیار بھول چکے تھے، ذاتی اغراض اور فوائد دل و دماغ پر چھائے ہوئے تھے، انگریزی سیاست اور تعلیم کا کیڑا اس ہرے بھرے درخت کو اندر سے چاٹ چکا تھا انسانیت اور

شہریت کا احساس جس پر تمدن کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ بہت کمزور پڑ چکا تھا۔ چاہیئے یہ تھا کہ اس ملک کی اخلاقی حالت کو اونچا کرنے اور عوام میں آدمیت اور شہریت کا احساس پیدا کرنے کی جان توڑ کوشش کی جاتی، محلہ محلہ، گاؤں گاؤں، شہر شہر اس کے لئے کمیٹیاں، پنچائتیں، مدرسے اور حلقے قائم کئے جاتے، گھر گھر اسکے وعظ اور اپدیش دیئے جاتے لاکھوں کتابیں اور رسالے شائع کئے جاتے اور پڑھ کر سنائے جاتے، غرض کہ آزادی کا احساس پیدا کرنے کے لئے جو کوشش کی گئی اس کی دس گنا کوشش اخلاقی احساس اور آدمیت پیدا کرنے کے لئے کرنی چاہیئے تھی۔

لیکن انگریزوں کی موجودگی اور ان کی سازشوں کے علم نے نیز اس مغربی سیاست نے جو سیاسی جنگ میں اخلاق اور آدمیت کی بنیادوں کو ہمیشہ نظرانداز کرتی رہی ہیں ہمارے سیاسی رہنماؤں کو اس کی فرصت ہی نہیں دی کہ وہ اخلاق اور سماجی سدھار کے بنیادی مسئلہ کی طرف پوری توجہ کرسکیں، اس میں شک نہیں کہ ہمارے سیاسی رہنما خود اونچے اخلاق کے لوگ تھے لیکن کم لوگوں کو اخلاقی مسئلہ کی اہمیت کا احساس تھا، سیاسی مصروفیتوں اور فوری مسائل نے ان کو بھی اس بات کا پورا موقع نہیں دیا کہ وہ ملک کی آزادی سے پہلے سوسائٹی کی تعمیر کریں۔

سچی بات تو یہ ہے کہ سوسائٹی کی تعمیر تو پیغمبروں ہی کے اصولوں پر ہوتی ہے۔ وہ اپنی ساری توجہ اور خدا کی دی ہوئی طاقتیں اسی کام پر لگا دیتے ہیں اور ان کی نظر کبھی اس مقصد سے نہیں چوکتی، وہ مسائل کو گڈمڈ نہیں کرتے، وہ سوسائٹی سے ان ہونی امیدیں قائم نہیں کرتے، وہ اس پر وہ بوجھ نہیں ڈالتے

جو اس سے اٹھایا نہ جائے، وہ پہلے ایمان اور عقیدہ پیدا کرتے ہیں اس کے اخلاق اور عمل کو سدھارتے ہیں اسی طرح صحیح کیریکٹر پیدا کرتے ہیں، اپنی خواہشات اور فائدوں کے خلاف کام کرنے کی طاقت پیدا کرتے ہیں۔ پھر جس طرح پھل دار اور بے روگ درخت سے پھل پیدا ہوتے ہیں جس طرح آگ کے ساتھ گرمی اور سورج کے ساتھ روشنی ضروری ہے اسی طرح صحیح کیریکٹر اور صحیح تربیت سے آزادی، حکومت کی صلاحیت، قربانی و خدمت کا جذبہ پیدا ہونا ضروری ہے، انسانی فطرت کا ہمیشہ سے یہی راستہ ہے اور ہمیشہ یہی راستہ رہے گا۔

۱۹۴۷ء میں جب اس ملک کو آزادی ملی تو تربیت کی کمی، ذاتی یا قومی خود غرضی اور جہالت اور آدمیت کے احترام کے فقدان نے اس ملک کے لوگوں میں وہ دیوانگی پیدا کر دی کہ انسان انسانوں کے حق میں درندے اور سانپ اور بچھو بن گئے اور انہوں نے ایسے وحشیانہ کام کئے کہ آدم خور وحشی سر جھکالیں اور کانوں پر ہاتھ رکھیں، بے کس عورتوں کی بے آبروئی کی گئی۔ شیر خوار بچوں کو سنگینوں اور بھالوں سے قتل کیا گیا۔ چلتی ہوئی ریل سے مسافروں کو پھینکا گیا، کنوؤں میں زہر ملایا گیا، جلتی چتا میں جیتے جاگتے آدمیوں کو بٹھا کر جلا دیا گیا، ایک ایسا ملک جس کی اخلاقی سطح اتنی پست اور اس دیس کے بہت سے رہنے والے آدمیت اور تہذیب سے اتنے کورے ہوں کیا اس ملک میں اخلاقی اصلاح اور سماجی سدھار سے بڑھ کر کوئی مسئلہ اہمیت رکھتا ہے؟

پھر جب اس ملک کے دونوں حصوں کو حکومت مل گئی تو کچی سیرت ناقص تربیت اور انگریزوں کے ڈھالے ہوئے اخلاق نے یہاں بھی گل کھلایا،

رشوت ستانی اور معاشی لوٹ کھسوٹ کی گرم بازاری ہوئی، کنٹرول نہیں تھا تو قیمتیں اتنی چڑھ گئیں کہ غریب کی زندگی مشکل ہو گئی، کنٹرول قائم ہوا تو چور بازاری اور ناجائز نفع خوری نے سر نکالا۔ ایک طرف افراط زر نے ملک کے مالی توازن کو درہم برہم کر رکھا ہے، دوسری طرف بڑھی ہوئی غربت نے لوگوں میں عام بے چینی پیدا کر رکھی ہے ان غریبوں کو ملک کی آزادی اور عوامی حکومت کا احساس بھی نہیں۔

ایسی صورت میں ملک کا سب سے بڑا مسئلہ جس پر تمام سیاسی رہنماؤں اور ملک کے سچے خیر خواہوں کو پوری توجہ کرنی چاہیئے تھی اور اس کو اپنی مصروفیتوں میں پہلی جگہ دینی چاہیئے تھی، اس ملک کی اخلاقی اصلاح، سماجی سدھار اور ذمہ داری کا احساس تھا۔ درحقیقت ملک کی موجودہ صورتِ حال میں اس مسئلہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے یا تیسرے درجے کے مسئلہ کو اپنا موضوع بنا لینا اور کسی فرضی سبب کو اس ملک کی موجودہ بدحالی کا حقیقی سبب قرار دے لینا، ایک ایسا اخلاقی جرم ہے جس کو اس ملک کا ہوشمند مورخ معاف نہیں کرے گا جس ملک میں انسانی زندگی کی ابتدائی باتوں کی تبلیغ کی ضرورت ہو جس ملک میں شہری زندگی کا احساس اور آدمیت کے احترام کی تلقین کی ضرورت ہو جس ملک میں عام انسانی اخلاق کی کمی ہو، جہاں لوگ بڑھی ہوئی رشوت، پھیلی ہوئی چور بازاری اور حد سے بڑھی ہوئی نفع خوری کی وجہ سے اپنی جان سے عاجز ہوں۔ جہاں اخلاقی اور قانونی جرائم میں ترقی ہو، وہاں ان تمام چونکا دینے والے واقعات سے آنکھ بند کر کے صرف "ایک کلچر ایک زبان" کی بے معنی رٹ لگائے جانا، اور اس کو ہر مرض کی دوا

سمجھنا اور اس پر زبان اور پریس کی تمام طاقتوں کا صرف کر دینا اس ملک کے ساتھ کہاں کا انصاف ہے؟

اس وقت ہمارا سماج سخت خطرہ میں ہے اس کو وہ کیڑا لگ گیا ہے جو اندر اندر سے اس کو کھوکھلا کر کے رکھ دے گا اسی کے ساتھ سمجھ لیجئے کہ جمہوریت بھی خطرہ میں ہے، جب سوسائٹی اخلاقی طور پر دیوالیہ اور معنوی حیثیت سے کھوکھلی ہو جائے تو اس کو نہ حکومت بچا سکتی ہے نہ جمہوری نظام، نہ ایک زبان اور ایک کلچر، رومن امپائر کا جس وقت خاتمہ ہوا ہے اس وقت تمام رومی قلمرو میں ایک زبان اور ایک کلچر تھا، ایران اور خلافت عباسیہ اور خوارزم شاہی حکومت کے زمانہ میں بھی یہی حال تھا لیکن اس میں سے کوئی چیز بھی اس کی حفاظت نہ کر سکی۔

دستور ساز اسمبلی کے صدر مسٹر ماولنکر نے اسی خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے سورت کے ایک جلسۂ عام میں یہ کہا کہ ہم کو سیرت کی تشکیل کرنی چاہیئے اور ہمارے افعال کو سچائی پر مبنی ہونا چاہیئے۔ اگر ہم اس نکتہ کو بھول گئے تو ہندوستان کی موجودہ سوسائٹی دیر یا سویر ختم ہو جائے گی اور ہم بھی اس کے ساتھ تباہ ہو جائیں گے ہمیں صداقت کو ہر چیز کی بنیاد بنانا چاہیئے' اور حکومت ہند کے مشیر تعلیم ڈاکٹر تارا چند نے بھی آگرہ یونیورسٹی کے سالانہ جلسۂ تقسیم اسناد میں اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا اور فرمایا کہ "جمہوریت اسی وقت پنپ سکتی ہے جب سماج کا ہر شخص اچھے صفات کا مالک ہو"

ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے ۱۶ دسمبر سنہ ۴۸ء کو

جے پور میں سبجیکٹ کمیٹی کے اجلاس میں اپنی فطری صاف گوئی اور جرأت کے ساتھ اسی خطرہ کی طرف متوجہ کیا اور کہا کہ "یہ نہایت قابل افسوس بات ہے کہ بہت سے لوگ بنیادی اور حقیقی مسائل کو چھوڑ کر معمولی باتوں میں الجھ گئے ہیں جن کا کوئی خاص اثر ہمارے ملک کی زندگی پر نہیں پڑتا مجھے کسی بیرونی دشمن کا بالکل خطرہ نہیں مجھے خطرہ اس عنصر سے ہے جو اپنی تنگ نظری سے ملک کی کمزوری کا باعث ہو رہا ہے ہندوستان کی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے ہندوستان کے تنزل کی سب سے بڑی وجہ تنگ نظری تھی۔"

ہندوستان کی اس عظیم الشان سوسائٹی کی حفاظت اس کی نئی حکومت کے بقا اور آزادی کی قربانیوں نیز ملک کے ساتھ سچی خیر خواہی اور محبت کا تقاضا ہے کہ ہم یہاں کی اخلاقی اصلاح اور سماجی سدھار کے مسئلہ پر بالکل غیر جانب دار ہو کر تمام قومی اور مذہبی تعصبات سے آزاد ہو کر ایک حقیقت پسند آدمی کی طرح غور کریں، اتنی بڑی سوسائٹی اور اتنی بڑی سلطنت جس پر اس وقت دنیا کی نگاہیں لگی ہوئی ہیں جو ایشیا کی قیادت کی دعوہ دار ہے، جو قوموں کے توازن میں فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے بہت سے ملکوں کا پیٹ بھر کر اپنا پیٹ بھر سکتی ہے جو آدمیوں قابلیتوں اور جواہرات کا خزانہ ہے وہ اگر چھوٹی چھوٹی باتوں، ادنیٰ درجہ کی تعصبات سے تباہ ہو گئی تو اس سے بڑھ کر اور بڑا حادثہ کیا ہوگا۔

موجودہ اخلاقی کمزوریاں اور سماجی خرابیاں اس وقت تک دور نہیں ہو سکتیں جب تک کہ قوم میں اندرونی تبدیلی نہ پیدا ہو، جب تک اندرونی تبدیلی پیدا نہ ہوگی زندگی اور اخلاق اور ملک کے عام حالات میں کوئی سدھار نہیں

ہوگا اور اس وقت تک لوگوں کو ان مصیبتوں سے نجات نہیں مل سکتی جو بداخلاقیوں اور سماجی کمزوریوں کی پیداوار ہیں، محض قانون، ضوابط، پولیس، عدالتوں، نئے نئے کمیشنوں اور اصلاحی کمیٹیوں سے ان خرابیوں کا سدباب نہیں ہوسکتا اور ایک بھی ایسے انسان کو بے آئینی اور بددیانتی سے نہیں روکا جاسکتا جس میں بے اصولی اور بے ایمانی کا قلبی رجحان پیدا ہوچکا ہے اور جو سرکاری قوانین اور انسانوں سے کسی مخفی اور بالاتر طاقت پر عقیدہ نہیں رکھتا، اعلیٰ تعلیم جو عقیدہ اور اخلاقی ضمیر سے خالی ہے اس بارہ میں ویسے ہی بے اثر اور غیر متعلق ہے جیسے دوسرے پیشے اور صنعتیں، یہ تمام افراد جو رشوت ستانی، چور بازاری، نفع خوری، بے اصولی، ناجائز پاس داری اور فریب کے مرتکب ہوتے ہیں، تعلیم یافتہ طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

یورپ میں چونکہ زندگی کی بہتر تنظیم اور شہریت کا احساس زیادہ ہے اس لئے یوروپین سوسائٹی کے افراد گھٹیا قسم کی بداخلاقیوں سے احتیاط کرتے ہیں اور صرف اعلیٰ قسم کی بداخلاقیاں اور بلند معیار کی بے اصولیاں جائز سمجھتے ہیں، وہ افراد کے بجائے قوموں اور ملکوں کے معاملہ میں ناانصافیاں کرتے ہیں، انتخاب جیتنے کے لئے بڑی بڑی پارٹیوں اور قوموں کو اخلاقی رشوتیں دیتے ہیں، قوموں کو لڑا کر اور ملکوں کو تباہ کرکے اپنی تجارت کو فروغ دیتے ہیں، اگر موقع ہوتا ہے تو ایٹم بم کے استعمال کرنے اور ہرے بھرے شہروں کو خاک سیاہ کرنے سے بھی احتراز نہیں کرتے، انکو اشخاص کے معاملہ میں ذرا سی وعدہ خلافی سے تکلیف ہوتی ہے مگر قوموں اور ملکوں کے معاملہ میں بڑی سے بڑی عہد شکنی میں تکلف نہیں ہوتا، اگر دل سے خالی اور ضمیر سے عاری نظام تعلیم

کسی قوم اور ملک کی اخلاقی سطح کو اونچا کر سکتا تو اس وقت یورپ اور امریکہ شخصی اور اجتماعی اخلاق میں دنیا کے لئے نمونہ ہوتے۔

اندرونی تبدیلی کے لئے دنیا کی پوری تاریخ میں "ایمان" سے بڑھ کر کسی طاقت اور تربیت کا تجربہ نہیں ہوا ہے، جب تک عوام میں خدا کا یقین اور اس کا خوف اور خدائی پوچھ گچھ کا کھٹکا پیدا نہ ہوگا اخلاق اور آدمیت کا سرا ہاتھ نہیں آئے گا، اس یقین اور تربیت نے ذہنی اور اخلاقی تبدیلی اور زندگی کے انقلاب کے ایسے حیرت انگیز نمونے پیش کئے جن کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی یہی وہ طاقت تھی جس نے چھٹی صدی مسیحی میں عربوں جیسی کٹّر اور ضدّی قوم کی دیکھتے دیکھتے کایا پلٹ کر دی، صدیوں کی بری عادتیں چھڑا دیں، حیوانیت کی اس نیچی سطح سے جس پر وہ اپنے ہاتھوں اپنی معصوم بچّیوں کو مٹی میں زندہ دفن کر دیا کرتے تھے، انسانیت اور شرافت کی اس اونچی سطح پر پہنچا دیا کہ یتیم بچّیوں کو پالنے کے لئے ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے تھے، یہی وہ اخلاقی احساس تھا کہ گنہگار عورت پیغمبرؐ کی عدالت میں آکر خود اپنے گناہ کا اقرار کرتی ہے پھر جب اس کو کسی ضمانت مچلکہ کے بغیر واپس کر دیا جاتا ہے تو بچہ کو گود میں لیکر آتی ہے اور سزا کی اس طرح خواہش کرتی ہے جیسے کوئی رہائی کی، پھر اس کو واپس کر دیا جاتا ہے کہ بچّہ دودھ چھوڑ دے اور روٹی کھانے لگے تو آنا، دل کی پھانس پھر اس کو عدالت میں لاکر کھڑا کر دیتی ہے اور اس سے کہلواتی ہے کہ یا رسول اللہ مجھے سزا دے کر گناہ سے پاک کر دیجئے کہ میں خدا کے عذاب کی ہمّت نہیں رکھتی، یہی وہ طاقت تھی کہ ایران کی جنگ میں غریب مسلمان سپاہی لاکھوں روپے کی مالیت کا ہیرے

جواہرات کا جڑاؤ سامان کرتے کے دامن میں چھپا کر لاتا ہے اور افسر کے حوالے
کر دیتا ہے کہ یہ اللہ کا مال ہے، اس سے اس کا نام پوچھا جاتا ہے تو اپنا نام نہیں
بتاتا کہ مجھے شکریہ اور تعریف کی ضرورت نہیں، جس کی خوشی کے لئے میں نے یہ کیا
ہے وہ میرا نام جانتا ہے، یہی وہ طاقت تھی کہ مدینہ کے مسلمان شراب کا پیالہ
ہونٹ سے لگائے ہوئے ہیں کہ کان میں آواز آتی ہے کہ "شراب حرام ہو گئی" پیالہ
فوراً منہ سے ہٹ جاتا ہے، منہ کی شراب اگل دی جاتی ہے، مٹکے اور برتن پھوڑ
دیئے جاتے ہیں اور مدینے کی نالیوں میں شراب بہتی نظر آتی ہے۔

اس کے مقابلہ میں امریکہ جیسا منظم و ترقی یافتہ ملک کئی کروڑ ڈالر صرف
کر کے اور کئی ارب روپے کا لٹریچر شائع کر کے بھی امریکن سوسائٹی کو شراب چھوڑنے
پر آمادہ نہیں کر سکا بلکہ اس نے اس کی جس قدر تبلیغ کی لوگوں میں شراب نوشی
کا جنون اور بڑھا، یہاں تک کہ اس کو یہ قانون منسوخ کرنا پڑا، ہمارا ملک بھی اپنے
پورے وسائل اور اثرات کو کام میں لانے کے بعد بھی رشوت ستانی اور چور بازاری
کے خلاف اپنی مہم میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کر سکا۔ اب وقت آگیا ہے
کہ ہم ایک ناکام طریقے کا مزید تجربہ کرنے اور سوسائٹی کو زیادہ بگڑنے کا موقع
دینے کے بجائے کامیاب راستہ کو اختیار کریں اور مذہب کی اس طاقت سے مدد لینے میں شرم
محسوس نہ کریں، ہمارے سیاسی رہنما اور جن کے ہاتھ میں اس وقت ملک کی باگ ڈور ہے اس
کو ملک کی تعمیر کا سنگ بنیاد سمجھیں اور اپنے تمام وسائل اور اثرات کو اس تبلیغ اور
تعلیم میں صرف کریں جو لوگوں میں خدا کا یقین اور خوف اور اس کے سامنے ذمہ دار
اور جواب دہ ہونے کا خیال پیدا کرے، اس ملک کی تعمیر و ترقی اور اس کی سوسائٹی

کی حفاظت اور نیک نامی کے لئے یہ کام فنون لطیفہ کی سرپرستی، کسی قدیم زبان وادب یا یہاں کے فن رقاصی یا علم موسیقی کے زندہ کرنے، نئے نئے شعبوں کے افتتاح اور مغربی ممالک کے قدم بقدم چلنے کی کوشش سے ہزار درجہ زیادہ اہم ہے، غیر ملکی حکومت اور سیاسی مسائل کی وجہ سے ہمارا پریس اور قومی کارکن اخلاقی اور سماجی مسائل کی طرف توجہ نہ کر سکے۔ اس لئے ہماری زندگی میں بہت سے جھول رہ گئے، لیکن اب جب کہ ہم پر اپنی سوسائٹی کی تعمیر اور ملک کی حفاظت کا بوجھ آپڑا ہے اور اس راستے میں کوئی سیاسی رکاوٹ نہیں ہے، ہمارے پریس، ادب، ریڈیو، ٹی وی اور ہر قومی کارکن کو اس کی طرف پوری توجہ کرنی چاہیئے اور ہر پروگرام سے زیادہ اس کو اہمیت دینی چاہیئے، اگر ہم نے ملک کی مادی ترقی وتنظیم کے ساتھ سوسائٹی کی اخلاقی و روحانی ترقی وتعمیر کا کام ملادیا اور اس کو نئی زندگی کی بنیاد بنایا تو یہ دنیا کی تاریخ میں ایک ایسا شاندار تجربہ ہوگا کہ نہ صرف ایشیا کے آزاد ممالک بلکہ یورپ وامریکہ بھی اس کی تقلید کریں گے اگر ہم نے یورپ وامریکہ کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی نقالی کرنے پر اکتفا کی تو ہماری حیثیت ایک کند ذہن شاگرد سے زیادہ نہیں ہوگی جو اپنے دماغ سے سوچنے اور اپنا راستہ نکالنے سے معذور ہے۔ اور یہ ہمارے عظیم الشان ملک کے لئے کوئی قابل فخر حیثیت نہیں ہوگی۔

آنکھوں کی سوئیاں

۷

زمانۂ دراز سے مظلوم انسانیت کا جسم

سوئیوں سے چھلنی ہو رہا ہے کچھ ہمدرد

ہاتھ اس کی سوئیاں نکالنے کے لئے بڑھتے

ہیں لیکن ہر مرتبہ آنکھوں کی سوئیاں چھوڑ

دیتے ہیں۔ مبارک ہیں وہ ہاتھ جو مظلوم

انسانیت کے جسم کی سوئیاں نکالیں مگر

آنکھوں کی سوئیاں نکالے بغیر سکھ کی نیند

اور دل کا چین حاصل نہیں ہو سکتا انسانیت

فریادی ہے کہ جسم کی سوئیوں کے ساتھ آنکھوں

کی سوئیاں بھی نکالی جائیں تاکہ اسکو حقیقی سکون

اور دیرپا راحت نصیب ہو۔

آنکھوں کی سوئیاں

ہندوستان کی کہانیاں اپنے اندر بڑی بڑی حقیقتیں رکھتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کہ اس ملک کے حکیموں نے زندگی کے بڑے بڑے فلسفوں کے عام فہم اور دلچسپ ترجمے کر دیئے ہیں یا خشک حقیقتوں کو چلتی پھرتی زندگی میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے، ہم ان چھوٹی چھوٹی کہانیوں کی مدد سے زندگی کے بہت سے حقائق کو ذہن کی گرفت میں لا سکتے ہیں۔

بچپن میں ہم نے جو کہانیاں سنی تھیں اور دماغ کی سلوٹوں میں کہیں چھپی رہ گئیں ان میں سے کوئی ایسی کہانی بھی تھی جس میں کسی مظلوم عورت کی داستانِ درد بیان کی گئی تھی، جس کے سارے جسم میں سوئیاں چبھی ہوئی تھیں اس کی دشمن سارے دن اس اس کی سوئیاں نکالتی تھی لیکن آنکھوں کی سوئیاں قصداً چھوڑ دیتی تھی اور رات ہو جاتی تھی دوسرے دن پھر نئی سوئیاں چبھ جاتی تھیں اور پھر وہ سوئیاں نکالتی تھی لیکن آنکھوں کی سوئیاں چھوڑ دیتی تھی، ہم کو کہانی کے صرف اتنے ہی حصہ سے غرض ہے۔

آپ غور کریں گے تو مظلوم انسانیت کے ساتھ زمانۂ دراز سے یہی معاملہ درپیش ہے اس کا سارا جسم سوئیوں سے چھلنی ہو رہا ہے جسم کے ہر حصہ میں ظالم

سوئیاں چبھ رہی ہیں کچھ ہمدرد ہاتھ اس کی یہ سوئیاں نکالنے کے لئے بڑھتے ہیں لیکن ہر مرتبہ آنکھوں کی سوئیاں چھوڑ دیتے ہیں اور اس کی نجات کا کام ناتمام رہ جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسرے روز وہ اسی طرح مجروح اور مبتلا نظر آتی ہے اور از سرِ نو محنت کرنی پڑتی ہے۔

انسانیت ایک مکمل انسانی جسم اور وجود کی نمائندہ ہے وہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں کی جامع ہے، اس کے ساتھ جسم بھی ہے، پیٹ بھی ہے، دل بھی ہے، دماغ بھی ہے، روح بھی ہے ان تمام حصّوں کے ساتھ کچھ مصائب اور آلام بھی ہیں یہ اس کے جسم کی سوئیاں ہیں جو اس کو زار و نزار کئے ہوئے ہیں۔

بھوک، فاقہ، اچھی اور صحیح غذا کا نہ ملنا یہ پیٹ کی سوئیاں ہیں، یقیناً ان سے انسانیت کو تکلیف اور دُکھ پہنچتا ہے۔ عالمِ انسانیت کی یہ بہت بڑی بدقسمتی ہے اور زندگی کا یہ بڑا شرمناک پہلو ہے کہ قدرت کی فیاضیوں اور غذائی سامان کی پوری فراوانی کے باوجود چند انسانوں کے ناجائز تصرف یا کسی نظامِ سلطنت کے جابرانہ طرزِ عمل سے انسانوں کی ایک بڑی تعداد کو پیٹ بھر روٹی میسر نہ ہو اور وہ اپنے فطری حق اور ضروری سامان زندگی سے محروم رہے اس پر غم و غصہ اضطراب و احتجاج، اس صورتِ حال کے خلاف جدوجہد ایک قدرتی امر اور صحیح انسانی احساس ہے جس پر تعجب یا ملامت کا کوئی موقع نہیں۔

انسان جسم رکھتا ہے اور جسم کو ٹھنڈک اور گرمی کا احساس دیا گیا ہے اور لباس کی طلب بخشی گئی ہے اس طلب کو پورا کرنے کے لئے زمین پر پورے انصاف اور ضرورت کے مطابق لباس پیدا کرنے والی چیزیں اور لباس تیار کرنے والے ہاتھ پیدا

کئے گئے ہیں، پھر بڑی بے انصافی ہے کہ چند آدمیوں کے زائد لباس استعمال کرنے یا بکسوں میں بند کر کے رکھنے یا بے جان دیواروں کو جاندار انسانوں کے کام آنے والا کپڑا اڑھانے کی وجہ سے انسان سردی سے ٹھٹھر کر مر جائیں یا ان کو ستر پوشی کے لئے بھی کپڑا نہ ملے۔

انسان دل رکھتا ہے اس کی کچھ جائز خواہشات ہیں ان کا نہ پورا ہونا، بڑی زیادتی اور ظلم ہے، وہ دماغ رکھتا ہے اس کا علم سے محروم اور دماغی ترقی اور صحیح قوت فکر سے دور رہنا ناانصافی اور نظام زندگی کا نقص ہے اور اس نقص کو دور کرنا ایک حسّاس انسان اور ایک صحیح الاحساس جماعت کا مذہبی اور اخلاقی فرض ہے۔

انسانی تہذیب و تمدن کو پھلنے پھولنے اور انسانوں کی روحانی ذہنی اور جسمانی طاقتوں کو متوازن نشوونما حاصل کرنے کے بہترین مواقع جب حاصل ہوتے ہیں جب ان کے راستہ میں کوئی جابر قوت حائل نہ ہو، عموماً دیکھا گیا ہے کہ غیر ملکی حکومت مسائل زندگی پر قبضہ کر لیتی ہے اور ان کی تقسیم کا کام اپنے غیر ہمدرد اور ناانصاف ہاتھوں میں لے لیتی ہے اس کے اقتدار میں محکوم قوم کے جائز جذبات بھی افسردہ اور اس کی ذہانت کے سوتے خشک ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے وطن میں جیل کے قیدیوں کی طرح زندگی گزارتی ہے، اس لئے غلامی بھی انسانیت کے لئے ایک بڑی مصیبت اور بلائے جان ہے اور اس کا دور کرنا زندگی کے حقیقی لطف سے متمتع ہونے کے لئے شرط ہے۔

اس لئے بلاشبہ فاقہ کشی، عریانی، مجبوری، جہالت اور محکومی وہ سوئیاں ہیں، جو انسانیت کے جسم کو برماتی رہتی ہیں ان کا دور کرنا ایک بڑی انسانی خدمت ہے۔

لیکن کیا اس دکھی انسانیت کے سارے دکھ اور روگ یہی ہیں اور یہی اس کے جسم کی سوئیاں ہیں، ان سوئیوں کے نکلتے ہی اس کو دل کا سکون، جسم کا آرام اور سکھ کی نیند نصیب ہو جائے گی ؟ اور اس کی آنکھ کی کھٹک اور دل کی خلش دور ہو جائے گی ؟ ہم دیکھتے ہیں کہ انسانیت کی مصیبت اسی پر ختم نہیں ہوتی کہ ہر شخص کو پیٹ بھر روٹی ضرورت بھر کا کپڑا، جائز خواہشات کی تکمیل کا سامان اور تعلیم کے مواقع حاصل ہو جائیں، اس کے جسم میں کچھ اور بھی زہر کی بجھی ہوئی سوئیاں ہیں جو اس کو اندر اندر گھلاتی رہتی ہیں اور ایسی سوسائٹی جس کو زندگی میں اپنی منھ مانگی مراد مل چکی ہو ان زہر کی بجھی ہوئی سوئیوں کی وجہ سے ہر وقت کراہتی تڑپتی اور اندر اندر سے گھلتی رہتی ہے۔

انسان اس پر بس نہیں کرتا کہ اس کو پیٹ بھر کر کھانا اور اپنی اور اپنے بچّوں اور متعلقین کی ضرورت کا کپڑا اور سامانِ زندگی حاصل ہو گیا ہے، اس کے اندر اس فطری پیٹ کے علاوہ ایک اور مصنوعی پیٹ پیدا ہو جاتا ہے وہ حرص وہوس کا پیٹ ہے جو جہنم کی طرح ھل من مزید (کچھ اور ہے) ہی پکارتا رہتا ہے، اس کو روپیہ سے صرف اسی لئے نہیں کہ وہ ضروریات زندگی کے حصول کا ایک ذریعہ ہے بلکہ بغیر کسی مقصد کے ذاتی محبت و عشق ہو جاتا ہے اور اس کو کوئی بڑی سے بڑی مقدار تسکین نہیں دے سکتی، دولت کے اس ذاتی عشق کی وجہ سے وہ ہر مجرمانہ فعل کا بے تکلف ارتکاب کرتا ہے، رشوت ستانی، چور بازاری، نفع اندوزی اس ذہنیت اور مزاج کے ادنیٰ کرشمہ ہیں۔

اگر دنیا کی اخلاقی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے اور تعصبات سے الگ ہو کر بدنظمیوں، بے عنوانیوں اور شہری زندگی کے مشکلات کے حقیقی اسباب تلاش کئے

جائیں تو ان کی تہہ میں جائز انسانی خواہشات اور حقیقی ضروریات کا ہاتھ کم ملے گا ان کی تہہ میں عموماً ناجائز خواہشات اور فرضی ضروریات نکلیں گی، انہیں ناجائز خواہشات اور فرضی ضروریات نے ہر زمانہ میں شہری زندگی میں نئی نئی الجھنیں اور ہر نظام حکومت کے لئے نئے نئے مشکلات پیدا کئے ہیں، انہیں فرضی ضروریات نے لوگوں کو مظالم، بددیانتی، غبن، استحصال بالجبر، رشوت خوری، سٹہ بازی، ذخیرہ اندوزی، فریب دہی پر آمادہ کیا اور ان کے اثر سے پورے پورے ملک اور بڑی بڑی حکومتیں "اندھیر نگری چوپٹ راج" بن کر رہ گئیں۔

آج بھی اگر موجودہ مشکلات اور شکایات کی تحقیق کی جائے گی تو صاف نظر آئے گا کہ موجودہ پریشانی اور بے اطمینانی کا سبب یہ نہیں ہے کہ ملک کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد یا اکثریت کو ضروریات زندگی میّسر نہیں اور اس کی جائز خواہشات پوری نہیں ہوتیں اور اس ملک میں بھوکوں اور ننگوں کی زیادتی ہے! انصاف سے اگر دیکھا جائے تو ان بھوکوں اور ننگوں نے کسی کی عافیت تنگ نہیں کی ہے، عافیت ان لوگوں نے تنگ کی ہے جن کے پیٹ بھرے ہوئے ہیں، لیکن ان کا دل دولت سے کبھی نہیں بھرتا، حقیقی ضروریات کا نام بدنام ہے، ان کی فہرست کچھ طویل نہیں، ساری خرابی فرضی ضروریات نے پیدا کی ہے جن کی فہرست ہمیشہ بڑھتی رہتی ہے اور کبھی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ پورے محلہ اور کبھی پورے شہر کی دولت ایک فرد کے لئے کافی نہیں ہوتی۔

آج یہ ہوشربا گرانی، اشیاء کی نایابی اور افراط زر کیوں ہے؟ کیا اس لئے کہ اہل ملک کی اکثریت بھوکی اور ننگی ہے؟ ظاہر ہے کہ صرف اس لئے کہ دولت

کی ہوس بڑھ گئی ہے، زیادہ اور جلد سے جلد دولتمند بننے کا شوق جنون کی حد تک پہنچ گیا ہے قناعت زندگی سے مفقود ہو چکی ہے، فخر، ریاکاری، جاہ طلبی، نمائش، شہرت کے خمیر میں داخل ہو چکی ہے۔

آج جس چیز نے زندگی کو عذاب اور دنیا کو دارالعذاب بنا رکھا ہے اور جس سے ہر موڑ پر سابقہ ہے وہ بڑھی ہوئی رشوت ستانی، چور بازاری اور ظالمانہ نفع خوری ہے، لیکن کیا ان جرائم کا ارتکاب بھوک، فاقہ کشی اور برہنگی کی مجبوری سے کیا جاتا ہے یہ تو اسی طبقہ کے حرکات ہیں جس کو اپنی خوراک سے زیادہ غلّہ، اپنے حصّہ سے زائد کپڑا اور اپنی ضرورت سے فاضل سامان زندگی حاصل ہے۔ ہزاروں مجرمین میں ایک بھی نان شبینہ کا محتاج اور سردی سے ٹھٹھرنے والا انسان نہیں ملے گا یہ متوسط اور دولتمند طبقہ کے اعمال ہیں جس کے پاس ضروریات زندگی میں سے کوئی چیز کم اور ارتکاب جرم کے لئے کوئی مجبوری نہیں ہے۔

حقیقت میں انسانوں کی فطری اور واجبی ضروریات کا معاملہ کچھ مشکل نہیں یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک ملک میں ہر شخص کو پیٹ بھر کر کھانا ضرورت کا کپڑا اور سامان زندگی میسّر ہو جائے، لیکن کیا دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی حکومت اور بہتر سے بہتر نظام کسی مختصر سے مختصر آبادی کے لئے بھی اس کی فرضی ضروریات مہیا کر سکتا ہے اور کسی ایک انسان کے بھی مصنوعی پیٹ کو بھر سکتا ہے جس کی جھوٹی بھوک (اشتہار کاذب) سارے انسانوں کا رزق کھا کر بھی نہیں مٹتی؟ پھر جب سوال حقیقی ضروریات کا نہیں بلکہ فرضی ضروریات کا ہے اور مرض اشتہائے صادق نہیں بلکہ اشتہائے کاذب ہے، تو کوئی ایسا معاشی فلسفہ یا اقتصادی نظام جو سوسائٹی کے ضمیر کو نہیں

بدلتا جو صرف انسانوں کے پیٹ بھرنے اور ان کا تن ڈھکنے کی ذمہ داری لیتا ہے اور جو مادّی احساس میں اعتدال پیدا کرنے کے بجائے اشتعال پیدا کرتا ہے، کیا کسی سوسائٹی کو بھی اندرونی طور پر مطمئن کر سکتا ہے اور زندگی کی موجودہ مشکلات سے نجات دے سکتا ہے؟

غور سے دیکھا جائے تو رشوت ستانی، چور بازاری، حد سے زیادہ نفع خوری اور اخلاقی جرائم اصل پیچیدگیاں نہیں ہیں، اصل پیچیدگی وہ ذہنیت اور مزاج ہے جو ان بداخلاقیوں اور بے اصولیوں پر آمادہ کرتا ہے اگر ایک دروازہ بند کیا جائے گا تو دس دروازے کھل جائیں گے انسانی ذہن اپنے مقاصد کے حصول کے لئے بہت سے چور دروازے رکھتا ہے، اگر اس میں کوئی گہری تبدیلی نہ ہو تو اسکا راستہ روک کر کوئی عاجز نہیں کر سکتا' اس کو اپنی مطلب برآری کے لئے بہت سی تدبیریں اور حیلے آتے ہیں وہ ان سے اپنا مطلب نکال لے گا۔

موجودہ زندگی کی اصل خرابی یہ ہے کہ پوری سوسائٹی کا ضمیر خودغرض اور مطلب پرست بن گیا ہے اس کا ایک فرد اپنی غرض کے لئے بے تکلف بڑی سے بڑی بے اصولی کا ارتکاب کر لیتا ہے، اگر وہ کسی شعبہ کا امین بنایا جاتا ہے تو اس کو خیانت میں باک نہیں، اگر کسی قومی ادارہ کا رکن منتخب ہوتا ہے تو اس کو اپنے حقیر فائدہ کے لئے بڑے سے بڑے قومی و جماعتی فوائد کو پامال کرنے اور دوسروں کا گھر اجاڑ کر اپنا گھر آباد کرنے میں عذر نہیں، اگر وہ ماتحت ہے تو کام چور، سست کار اور احساس فرض سے عاری ہے وہ اپنے کسی متوقع فائدہ یا کسی ذاتی رنجش کی بنا پر ایک گھنٹہ کے کام میں باآسانی ایک مہینہ لگا سکتا ہے اور آسان سے آسان معاملہ کو برسوں لٹکا

سکتا ہے اور اس طرح سے اپنے ذاتی فوائد کے لئے نظام حکومت کو ناکام یا بدنام کر سکتا ہے، اگر وہ صاحب اختیار ہے تو اعزہ نوازی، احباب پروری، بیجا پاسداری اور شخصی یا خاندانی فوائد کی بنا پر صریح بے اصولی کا ارتکاب کر کے ملک و قوم کو نقصان پہنچاتا ہے، اگر تاجر ہے تو دولت میں غیر ضروری اضافہ کرنے کے لئے چور بازاری اور ناجائز نفع خوری کر کے لاکھوں غریبوں کو پیٹ کی مار مارتا ہے اور دانہ دانہ کو ترساتا ہے، اگر وہ روپیہ کا کاروبار کرتا ہے تو سود خوری اور مہاجنی کے ذریعہ صدہا غریبوں کا بال بال قرض میں جکڑ دیتا ہے اور ان کو پیسہ پیسہ کا محتاج بنا دیتا ہے۔

افراد سے بڑھ کر جماعتوں اور پوری پوری قوموں پر خود مطلبی اور خود غرضی کا شیطان مسلّط ہو گیا ہے سیاسی جماعتیں جماعتی خود غرضی اور خود بینی میں مبتلا ہیں، یورپ اور امریکہ کی جمہوریتوں پر قومی خود غرضی کا بھوت سوار ہے۔ جس کے پاؤں کے نیچے چھوٹی اور کمزور قومیں سبزہ کی طرح پامال ہوتی رہتی ہیں، اس قومی خود غرضی نے ساری دنیا کو تجارت کی منڈی یا لوہار کی بھٹی بنا رکھا ہے، اور ساری زمین کو ایک وسیع میدان جنگ میں تبدیل کر دیا ہے۔ اس قومی خود غرضی کی خاطر بڑی سے بڑی بے اصولی اور بے آئینی روا ہے، اس کے ادنیٰ اشارے پر لاکھوں بے گناہ انسانوں کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے، ایک قوم پر دوسری قوم کو مسلّط کر دیا جاتا ہے، بھیڑ، بکریوں کی طرح ایک قوم کو دوسری قوم کے ہاتھ بیچ ڈالا جاتا ہے۔ متحد ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے ہیں، یورپ کی اسی قومی خود غرضی نے پہلے عربوں کو ترکوں کے خلاف ابھارا اور کل عرب سلطنت کا خواب دکھایا، پھر اسی خود غرضی نے شام جیسے چھوٹے ملک میں چار مستقل حکومتیں قائم کیں، پھر اسی نے یہودیوں

کو وطن الیہود کا سبز باغ دکھایا، آج بھی فلسطین میں جو کچھ ہو رہا ہے اور اس کی گتھی جس طرح الجھتی جا رہی ہے وہ محض امریکہ، برطانیہ اور روس کی قومی خودغرضی کا نتیجہ ہے، ہندوستان میں سو برس جو کچھ ہوتا رہا ہے اور پھر آخر میں جس طرح اس امن پسند ملک کو قتل گاہ بنا کر چھوڑا گیا ہے وہ یا تو برطانیہ کی براہ راست قومی خودغرضی کا کرشمہ ہے یا اسی پیدا کی ہوئی اس بدترین قومی خودغرضی کا جس کا زہر یہاں کی آبادی کے جسم میں سو برس تک سرایت کرتا رہا ہے، مغربی تہذیب اور مغربی سیاست کی لائی ہوئی اس قومی خودغرضی نے ۴۷ء میں یہاں کے لوگوں کو اتنا اندھا اور دیوانہ بنا دیا کہ ان سے وہ غیر انسانی افعال صادر ہوئے جن کی نسبت سے چوپایوں اور درندوں کو بھی شرم آئے گی اور آدم خور وحشیوں کی گردن شرم سے جھک جائے گی، اور زمانۂ آئندہ کا مورخ ان واقعات کی تصدیق میں سخت پس و پیش کرے گا۔

پھر اس خودغرضی نے ساری دنیا میں اور ملک کے تمام طبقوں میں ایک مخصوص مزاج پیدا کر دیا ہے جس کا خاصہ ہے کہ انسان اپنے حقوق کے مطالبہ میں بڑا مستعد ہے اور فرائض و حقوق کے ادا کرنے میں سخت کوتاہ اور حیلہ جو، اس ذہنیت اور سیرت نے ساری دنیا میں انفرادی جماعتی اور طبقاتی کش مکش برپا کر دی ہے، ہر شخص اپنا حق مانگتا ہے اور دوسرے کا حق ادا کرنے سے گریز کرتا ہے، اگر دنیا پر نظر ڈالی جائے تو ساری دنیا حقوق طلبوں کی ایک آبادی نظر آئے گی، جس میں حق طلبی کا نعرہ تو ہر زبان پر ہے لیکن ادائے فرض کا احساس کسی دل میں نہیں، جس آبادی میں ہر شخص حق طلب ہو لیکن فرض شناس کوئی نہ ہو وہاں کی زندگی کی الجھنوں اور دقتوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور

وہاں کی کش مکش کو کوئی انسانی تدبیر یا تنظیم دور نہیں کر سکتی۔

ہم اس خود غرضی پر خواہ کتنے چیں بہ جبیں ہوں اور اور اس سے ہمیں خود اپنی روز مرہ کی زندگی میں خواہ کتنی مشکلات پیش آئیں وہ ہے بالکل ایک قدرتی چیز، جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس زندگی کے بعد کوئی زندگی نہیں، اس مادّی زندگی کی لذتوں اور فائدوں کے سوا کسی اور حقیقت کا یکسر وجود نہیں اور ہمارا سارا ادب، فلسفہ اور پورا ماحول اسی کی تلقین کرتا ہو، اسی کی مثالیں سند اور معیار کے طور پر پیش کر رہا ہو، زندگی بعد موت کا ہر تصور ختم ہو چکا ہو، اخلاقی قدروں اور زندگی کی دوسری بلند اور لطیف تر حقیقتوں نے خالص مادّی وجسمانی احساسات کے لئے جگہ خالی کر دی ہو، پیٹ اور جسم نے پھیل کر زندگی کی ساری وسعت گھیر لی ہو اور تمام دوسری حقیقتوں کو نگاہ سے اوجھل کر دیا ہو، وہاں انسان خود غرض کیوں نہ ہو؟ اور وہ اس اوّل وآخر زندگی کی لذتوں اور منفعتوں کو کس دن کے لئے اٹھا رکھے اور اس زندگی سے لطف اندوزی میں کس لئے بخل اور احتیاط سے کام لے؟ پھر جب اس کو کسی بالاتر نگرانی اور کسی قادر وتوانا ذات اور کسی ہمہ بیں وہمہ داں ہستی کا بھی اعتقاد اور خوف نہ ہو تو وہ ان اغراض کے حصول کے لئے جو اس کی زندگی میں خوش حالی یا لذت ولطف پیدا کریں ان اسباب وذرائع کے اختیار کرنے میں کیوں پس وپیش سے کام لے جو اس کے لئے کسی وقت بھی ممکن ہو سکیں؟

اور پھر جب مادہ پرست سیاسی فلسفہ نے انسان کی زندگی کو ایک قوم اور ایک وطن کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے اور ہر ایسے تصور اور ہمدردی کو ذہن سے نکال دیا

ہے جس کا دائرہ ایک قوم یا وطن سے زیادہ وسیع ہو اور ہر ایسی چیز کو راستہ سے ہٹا دیا ہے جو انسانیت کا وسیع تر تصور اور زندگی کا غیر فانی تخیل پیش کرتی ہو تو انسان کی فطری خود غرضی اپنے انتہائی ارتقا میں بھی قومی اور وطنی خود غرضی کی سطح سے کس طرح بلند ہو سکتی ہے اور وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کسی جائز و ناجائز فعل کے ارتکاب سے کس طرح احتیاط کر سکتی ہے؟

یہ خود غرضی اور مطلب پرستی اس موجودہ نظام معاشرت و سیاست کا جنم روگ ہے جب تک اس کا ازالہ نہ ہو ظاہری انتظامات، اصلاحات و ترقیات کچھ زیادہ نتیجہ خیز نہیں، سیاسی طور پر ملک آزاد و خود مختار ہو یا غیر ملکی حکومت کے ماتحت، جب تک ہماری سوسائٹی پر خود غرضی مسلط ہے دولت و عزت کا عشق تمام ملک پر چھایا ہوا ہے، ذمہ داری کا احساس افراد کے دلوں سے نکل چکا ہے اور معاشرہ کا قلبی رجحان زیادہ سے زیادہ لطف اندوزی، فرضی ضروریات کے حصول اور خواہشات نفس کی تکمیل کی طرف ہے عملاً وہ سوسائٹی زندگی کی حقیقی مسرتوں اور آزادی کے عملی نتائج سے محروم رہے گی۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ سوسائٹی پر ایک غیر طبعی فربہی چھا رہی ہے، وہ اپنی ظاہری آرائش میں بھی ترقی کر رہی ہے، فاقہ کشی اور عریانی کا تناسب بھی کم ہو رہا ہے اور بعض ملکوں میں معاشی ناانصافی کا خاتمہ ہو گیا ہے، تعلیم عام ہو رہی ہے، نئے نئے شعبوں کی کثرت ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سوسائٹی کو اندر سے روگ لگ چکا ہے جو اندر اندر سے اس کو گھلا رہا ہے، جب دلوں میں ناانصافی گھر کر گئی ہو تو محض معاشی ناانصافی کو مٹا دینے سے کسی ملک میں حقیقی انصاف اور عام

ہمدردی پیدا نہیں ہوسکتی، معاشیات کے علاوہ بھی زندگی کے بہت سے میدان ہیں جن میں انسان کو انسان پر ظلم کرنے اس کا حق دبانے اور کم سے کم اس کو تنگ کرنے کے پورے مواقع حاصل ہیں جب تک دلوں سے اس ناانصافی اور ظلم کی طرف رجحان اور خود غرضی کا بیج نہ نکالا جائے کوئی شہری نظام ظلم و ناانصافی اور بددیانتی سے پاک نہیں ہوسکتا۔

ایشیا میں ابھی حال میں جو نئی خودمختار ریاستیں قائم ہوئی ہیں یا جن ممالک کو نئی آزادی حاصل ہوئی ہے وہ بھی اس حقیقت کو نظرانداز کر رہے ہیں کہ ملک کی خوش حالی اور قوم کی ترقی صرف زندگی کی ظاہری تنظیمات اور وسائل کے حصول میں نہیں ہے بلکہ اُن مقاصد کی صحت میں ہے جن کے لئے یہ وسائل استعمال ہوتے ہیں، رجحان کی درستی اور انصاف و ہمدردی کے قلبی جذبات میں ہے اور یہ چیزیں کسی مشینی طریقہ اور سیاسی تنظیم سے نہیں پیدا ہوتیں، اگر یہ کسی مشینی طریقہ یا سیاسی نظام سے پیدا ہوسکتیں اور وسائل زندگی کی فراہمی اور ملک کی ظاہری تنظیم حقیقی خوش حالی، امن واطمینان، قلبی سکون کا گہوارہ ہوتیں اور وہ ممالک جنت نظیر ہوتے مگر سب جانتے ہیں کہ ان ممالک کو حقیقی اطمینان نصیب نہیں، وہاں کی اندرونی الجھنیں کوئی چھپا ڈھکا واقعہ نہیں۔

مقاصد کی صحت، رجحان کی درستی اور انصاف و ہمدردی کے قلبی جذبات کا سرچشمہ ایک صحیح وطاقتور اخلاقی و روحانی مذہب ہی ہے جو انسان کے جسم کے ساتھ اُس کے دل پر بھی حکومت کرے، جو اس کی خواہشات کو اپنے ضبط و نظم میں رکھے جو اپنی روحانی طاقت سے اُس سے بنی نوع کے حق میں ایثار و قربانی کرا سکے،

جو اس محدود مختصر زندگی کے علاوہ کسی ایسی غیر فانی زندگی کو اس کی نگاہ میں اس طرح حقیقت بنا سکے کہ اس کے شوق میں آدمی اس زندگی میں اعتدال واحتیاط سے کام لے، جو اس کے سامنے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، دولت وعزت حاصل کرنے اور حیوانی تقاضوں کو انسانی عقل وہنرمندی سے پورا کرنے کے علاوہ انسانیت اور زندگی کے کچھ اور معانی بتلا سکے اور انسان کی زندگی کے کچھ زیادہ بلند مقاصد انسان کے سامنے لا سکے، ایسے ہی مذہب کی صحیح تعلیم اس خود غرضی اور کوتاہ نظری کو زائل کر سکتی ہے جس سے ہمارا موجودہ نظام معاشرت وسیاست داغ داغ ہو رہا ہے۔

مبارک ہیں وہ ہاتھ جو مظلوم انسانیت کے جسم کی سوئیوں کو نکالنے کیلئے بڑھیں مگر یاد رہے کہ آنکھوں کی سوئیاں نکالے بغیر اس کو سکھ کی نیند اور دل کا چین حاصل نہیں ہو سکتا، آزادی اور حکومت خود اختیاری کا حاصل کرنا بڑا ضروری کام اور اعلیٰ مقصد ہے، ملک سے فاقہ کشی، برہنگی اور افلاس کو دور کرنا، معاشی ناانصافیوں کا خاتمہ کرنا اور ہر شخص کے لئے ضروری وسائل زندگی کا مہیا کرنا نہایت مبارک کام ہے اور جو لوگ اس میں حصہ لیں وہ انسانوں کے شکریہ کے مستحق ہیں، لیکن ان کو اپنے کام کو بالکل ادھورا اور ناقص سمجھنا چاہیئے جب تک انسانیت کے دل کی پھانس اور آنکھ کی کھٹک دور نہ ہو، اس کا ضمیر خدا ترس اور پاک باز نہ ہو جائے، اس میں ذمہ داری کا احساس نہ پیدا ہو جائے، اس کی نظر شکم پروری اور تن پروری سے بلند ہو کر بنی نوع انسان کے عام فائدوں پر نہ ہو، اس میں وسعت نظر اور عالی حوصلگی نہ پیدا ہو جائے، وہ ضروریات زندگی اور فضولیات زندگی میں فرق نہ کر سکے

اور اس کو ایک دوسرے کے ساتھ انصاف کرنے اور اپنے نفس کے خلاف کرنے میں دقت نہ ہو۔

کئی بار اس جسم کی سوئیاں نکالنے کے لئے انسانیت کے ہمدرد ہاتھ بڑھے لیکن ہر بار انہوں نے آنکھوں کو سوئیاں چھوڑ دیں اور رات ہو گئی، کسی ملک کو اس کے فرزندوں نے اپنی قربانیوں اور بہادری سے آزادی دلائی، کہیں ارادے کے پکے انسانوں نے جابر شخصی سلطنتوں کا تختہ الٹ کر ملک میں جمہوری نظام اور عوامی حکومت قائم کی لیکن دل کی پھانس دل کے دل ہی میں رہ گئی، ملک کا نظم ونسق کرنے والے بدل گئے مگر نظم ونسق کا طریقہ اور حکومت کی روح اور اس کا مزاج نہ بدلا، اب بھی کئی ملکوں میں معاشی انقلاب کی جدوجہد جاری ہے لیکن لوگ پیٹ کی سوئیاں دیکھ رہے ہیں اور آنکھوں کی سوئیوں کی طرف سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں، انسانیت فریادی ہے کہ رات آنے سے پہلے جسم کی سوئیوں کے ساتھ آنکھوں کی سوئیاں بھی نکال دیجائیں تاکہ اس کو حقیقی سکون، دیرپا راحت اور متوازن زندگی حاصل ہو۔

دنیا کی سالگرہ

۸

ہر ایک کو اپنی سالگرہ عزیز ہے ہماری اس
موجودہ دنیا کی بھی ایک سالگرہ ہے۔ اور وہ
آج کا مبارک دن ہے ــــــ کہ آج کے
دن دنیا کا سب سے مبارک انسان پیدا ہوا۔
جس نے اس دنیا کو نیا ایمان اور نئی زندگی
بخشی اور ساری دنیا کو علم و یقین، امن و تہذیب،
روحانیت اور خدا کے ذکر سے بھر دیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دنیا کی سالگرہ

ہر ایک کو اپنی سالگرہ عزیز ہے، ہماری اس موجودہ دنیا کی بھی ایک سالگرہ ہے، اور وہ آج کا مبارک دن ہے!

یوں تو اس دنیا کی عمر بہت بتلائی جاتی ہے، مگر یہ دنیا کئی بار سو سو کر جاگی ہے، اور مر مر کر زندہ ہوئی ہے، آخری بار جب یہ موت کی نیند سے بیدار ہوئی، اور اس نے عقل و ہوش کی آنکھیں کھولیں، وہ وہ دن تھا جب مکہ کے سردار عبدالمطلب کے گھر پوتا پیدا ہوا، وہ پیدا ہوا تو یتیم تھا۔ مگر اس نے پوری انسانیت کی سرپرستی کی، اور دنیا کو نئی زندگی بخشی، سوتے میں جو عمر کٹی وہ کیا عمر ہے؟ خودکشی میں جو وقت گزرا وہ کیا زندگی ہے؟ اس لئے سچ پوچھیئے تو موجودہ دنیا کی کام کی عمر چودہ سو برس سے زائد نہیں۔

چھٹی صدی مسیحی میں انسانیت کی گاڑی ایک ڈھلواں راستے پر پڑ گئی تھی، اندھیرا پھیلتا جارہا تھا، راستے کا نشیب بڑھتا جارہا تھا، اور رفتار تیز ہوتی جارہی تھی، اس گاڑی پر انسانیت کا پورا قافلہ اور آدم کا سارا کنبہ سوار تھا، ہزاروں برس کی تہذیبیں، اور لاکھوں انسانوں کی محنتیں تھیں، گاڑی کے سوار میٹھی نیند سو رہے تھے

یا زیادہ اور اچھی جگہ حاصل کرنے کے لئے آپس میں دست و گریباں تھے، تنک مزاج تھے، جو جب ساتھیوں سے روٹھتے تو ایک طرف سے دوسری طرف منہ پھیر کر بیٹھ جاتے، کچھ ایسے جو اپنے جیسے لوگوں پر حکم چلاتے، کچھ کھانے پکانے میں مشغول تھے، کچھ گانے بجانے میں مصروف، مگر کوئی یہ نہ دیکھتا کہ گاڑی کس غار کی طرف جارہی ہے، اور وہ اب کتنا قریب رہ گیا ہے؟

انسانیت کا جسم تروتازہ تھا، مگر دل نڈھال، دماغ تھکا ہوا، ضمیر بے حس و مُردہ نبضیں ڈوب رہی تھیں، اور آنکھیں پتھرانے والی تھیں، ایمان و یقین کی دولت سے عرصہ ہوا یہ انسانیت محروم ہو چکی تھی، پورے پورے ملک میں ڈھونڈے سے ایک صاحبِ یقین نہ ملتا، توہمات کا ساری دنیا پر قبضہ تھا، انسانیت نے اپنے کو خود ذلیل کیا تھا، انسان نے اپنے غلاموں اور چاکروں کے سامنے سر جھکایا تھا۔ ایک خدا کے سوا سب کے سامنے اس کو جھکنا منظور تھا، حرام اس کے منہ کو لگ گیا تھا۔ ؎

شراب اُس کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
جو اس کی دن رات کی دل لگی تھی

بادشاہ دوسروں کے خون پر پلتے تھے، اور بستیاں اجاڑ کر بستے تھے، ان کے کتے موج کرتے، اور انسان دانہ دانہ کو ترستے، زندگی کا معیار اتنا بلند ہو گیا تھا کہ جینا دوبھر تھا، جو اس معیار پر پورا نہ اترے وہ جانور سمجھا جاتا تھا، نئے نئے ٹیکسوں سے کسانوں اور دستکاروں کی کمر جھکی، اور گردن ٹوٹی جاتی تھی، لڑائی، اور بات کی بات میں ملکوں کی صفائی اور قوموں کی تباہی، ان کے بائیں

ہاتھ کا کھیل تھا، سب زندگی کی فکروں میں گرفتار اور ظلم و زیادتی سے زار و نزار تھے، پورے پورے ملک میں ایک اللہ کا بندہ ایسا نہ ملتا جس کو اپنے پیدا کرنے والے کی رضامندی کی فکر ہو، یا راستے کی سچی تلاش ہو، غرض یہ نام کی زندگی تھی مگر حقیقت میں ایک وسیع اور طویل خودکشی۔

دنیا کی اصلاح انسانوں کے بس سے باہر تھی، پانی سر سے اونچا ہو گیا تھا، معاملہ ایک ملک کی آزادی اور ایک قوم کی ترقی کا نہ تھا، معاملہ پوری انسانیت کی موت اور زندگی کا تھا، سوال کسی ایک خرابی کا نہ تھا، انسانیت کا بدن داغ داغ تھا، اور دامن تار تار، اصلاح کے لئے جو لوگ آگے بڑھے، وہ یہ کہہ کر پیچھے ہٹ گئے کہ :- ع

"تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا"

فلسفی اور حکیم، شاعر اور ادیب، کوئی اس میدان کا مرد نہ نکلا، سب اس وبا کے شکار تھے، مریض مریض کا علاج کس طرح کرے؟ جو خود یقین سے خالی ہو، وہ دوسرے کو کس طرح یقین سے بھر دے؟ جو خود پیاسا ہو، وہ دوسرے کی پیاس کس طرح بجھائے؟ انسانیت کی قسمت پر بھاری قفل پڑا تھا، اور کنجی گم تھی، زندگی کی ڈور الجھ گئی تھی اور سرا ملتا نہ تھا!

اس دنیا کے مالک کو اپنے گھر کا یہ نقشہ پسند نہ تھا، آخر کار اس نے عرب کی آزاد اور سادہ قوم میں جو فطرت سے قریب تھی ایک پیغمبر بھیجا، کہ پیغمبر کے سوا اب اس بگڑی دنیا کو کوئی بنا نہیں سکتا تھا۔ اس پیغمبر کا نام نامی محمد بن عبداللہ ہے۔ اللہ کے لاکھوں سلام و درود ہوں اُن پر :- ؎

زبان پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زبان کے لئے

اس زندگی کی ہر چیز سلامت تھی، مگر بے جگہ و بے قرینہ، زندگی کا پہیہ گھوم رہا تھا مگر غلط رُخ پر، اصل خرابی یہ تھی کہ زندگی کی چول کھسک گئی تھی، اور ساری خرابی اسی کی تھی، یہ چول کیا تھی ؟ اپنے اور اس دنیا کے بنانے والے کا صحیح علم، اسی کی بندگی اور تابعداری کا فیصلہ، اس کے پیغمبروں کو ماننا، اور ان کی ہدایت و تعلیم کے مطابق زندگی بسر کرنا، اور دوسری زندگی کا یقین۔

انہوں نے اس زندگی کی چول بٹھادی۔ مگر اپنی زندگی اور اپنے خاندان کی زندگی کو خطرے میں ڈال کر، اور اپنا سب کچھ قربان کر کے، انہوں نے اس مقصد کی خاطر بادشاہی کا تاج ٹھکرایا، دولت اور عیش کی بڑی سے بڑی پیشکش کو نامنظور کیا، محبوب وطن کو چھوڑا، ساری عمر بے آرام رہے، پیٹ پر پتھر باندھے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہ کھایا، گھر والوں کو فقر و فاقہ میں شریک رکھا دنیا کی ہر قربانی میں ہر خطرے میں پیش پیش اور ہر فائدہ اور ہر لذت سے دُور دُور، لیکن دنیا سے اس وقت تک تشریف نہ لے گئے جب تک کہ دنیا کو صحیح رخ پر نہ ڈال دیا، اور تاریخ کا دھارا نہ بدل دیا۔

تیئس ۲۳ برس میں دنیا کا رخ پلٹ گیا، دنیا کا ضمیر جاگ گیا، نیکی کا رجحان پیدا ہو گیا، اچھے برے کی تمیز ہونے لگی، خدا کی بندگی کا راستہ کھل گیا، انسان کو انسان کے سامنے اور اپنے خادموں کے سامنے جھکنے میں شرم محسوس ہونے لگی، اونچ نیچ دور ہوئی، قومی و نسلی غرور ٹوٹا، عورتوں کو حقوق ملے، کمزوروں

وبے کسوں کی ڈھارس بندھی، غرض دیکھتے دیکھتے دنیا بدل گئی، جہاں پورے پورے ملک میں ایک بھی خدا سے ڈرنے والا نظر نہ آتا، وہاں لاکھوں کی تعداد میں ایسے انسان پیدا ہو گئے، جو اندھیرے اجالے میں خدا سے ڈرنے والے تھے، جو یقین کی دولت سے مالا مال تھے، جو دشمن کے ساتھ انصاف کرتے تھے، جو حق کے معاملہ میں اپنی اولاد کی پروا نہ کرتے، جو اپنے خلاف گواہی دینے کے لئے تیار رہتے، جو دوسروں کے آرام کی خاطر مصیبت برداشت کرتے، جو کمزور کو طاقتور پر ترجیح دیتے، رات کے عبادت گزار، دن کے شہسوار، دولت، حکومت، طاقت، خواہشات سب پر حاکم، سب پر غالب، صرف ایک، اللہ کے محکوم، صرف ایک اللہ کے غلام، انہوں نے اس دنیا کو علم و یقین، امن و تہذیب، روحانیت اور خدا کے ذکر سے بھر دیا۔

زمانے کی رت بدل گئی انسان کیا بدلا جہاں بدل گیا، زمین و آسمان بدل گئے، یہ سارا انقلاب اسی پیغمبر کی کوشش اور تعلیم کا نتیجہ ہے، آدمؑ کی اولاد پر آدمؑ کے کسی فرزند کا ایسا احسان نہیں جیسا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا کے انسانوں پر ہے، اگر اس دنیا سے وہ سب لے لیا جائے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے اس کو عطا کیا ہے، تو انسانی تہذیب ہزاروں برس پیچھے چلی جائے گی، اور اس کو اپنی زندگی کی عزیز ترین چیزوں سے محروم ہونا پڑے گا۔

آج کا دن مبارک کیوں نہ ہو ـــــ کہ

آج ہی کے دن دنیا کا سب سے مبارک انسان پیدا ہوا، جس نے اس دنیا کو نیا ایمان اور نئی زندگی عطا کی۔ ؎

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
وہ سب پود انہیں کی لگائی ہوئی ہے

مسلمانوں پر ایک نظر
اور
قلب پر تین ۳ اثر

۹

جس وقت اس نادان کمسن بچے (اُمت) نے اس اتالیق اعظم ﷺ اس مربی اکبر ﷺ اس دانا جہاندیدؐ کی انگلی چھوڑ دی وہ بیچارہ گلیوں میں بھیڑ میں پڑ گیا۔ وہ جتنا چلتا ہے اپنے گھر سے دور ہوتا جاتا ہے۔ چلاّتا ہے، روتا ہے، مگر کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑتا۔ وہ بھوکا ہے پیاسا ہے مگر کسی کو اس پر ترس نہیں آتا۔

مسلمانوں پر ایک نظر اور قلب پر تین اثر

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اس وقت کہیں مسلمانوں کی تعداد سن کر اور ایک جگہ ان کا کوئی مجمع دیکھ دل پر تین قسم کے نہایت مختلف اثر ہوتے ہیں۔

مسرت، حیرت، حسرت

مسرت اس کی کہ الحمد للہ! ایک وقت تھا کہ روئے زمین پر کلمہ گو انگلیوں پر گنے جاتے تھے، اور یہ وہ تھے جو ساری دنیا کی اصلاح کو نکلے تھے اور پوری امت کہلاتے ہیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ (آل عمران)	تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئیں عالم میں اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو،

اور جن کو قریبی زمانہ میں زمین کا نقشہ اور قوموں کی تقدیریں بدلنی تھیں اور جنہوں نے اس تعداد پر خشکی اور تری سے دشمنی مول لے لی تھی۔

مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تین مرتبہ مسلمانوں کو شمار

کیا گیا، پہلی مردم شماری میں مسلمانوں کی تعداد ۵۰۰، دوسری میں ۶۰۰ اور ۷۰۰ کے درمیان تھی، اور تیسری مرتبہ شمار میں مسلمان ڈیڑھ ہزار تھے تو پھر اس تعداد پر مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اطمینان کی سانس لی کہ اب ہم ڈیڑھ ہزار ہو گئے ہیں۔ اب ہمیں کیا ڈر ہے؟ ہم نے تو وہ زمانہ دیکھا ہے جب ہم اکیلے نماز پڑھتے تھے اور پھر بھی ہر طرف سے دشمنوں کا خوف لگا رہتا تھا۔[1]

بہرحال شکر کا مقام ہے، اور اللہ کا احسان ہے اور یہ احسان اس نے ایک جگہ جتایا ہے:۔

واذ کروآ اذانتم قلیل مستضعفون	اور یاد کرو جس وقت تم تھوڑے تھے
فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس	مغلوب پڑے ہوئے ملک میں ڈرتے تھے کہ
فاٰوٰکم وایدکم بنصرہٖ ورزقکم من	اچک لیں تم کو لوگ پھر اس نے تم کو ٹھکانا دیا
الطیبٰت لعلکم تشکرون (الانفال)	اور قوت دی تم کو اپنی مدد سے اور عطا کیں تم کو پاک چیزیں تاکہ تم شکر کرو۔

ایک نبی نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کا یہ احسان اس طرح یاد دلایا:۔

وَاذکروآ اِذ کنتُم قَلِیلاً فکثرکُم	اور یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے تو تمہیں زیادہ کر دیا۔

آج صرف ایک جگہ اسلام کے مرکز سے ہزاروں میل دور مسلمان کہلانے والوں کی اتنی صورتیں نظر آسکتی ہیں، جن سے بہت کم کو دیکھنے کے لئے آنکھیں ترستی تھیں اور خواب میں بھی نظر نہیں آتی تھیں، اور ان کے زرق برق لباس

---

[1] صحیح بخاری باب کتابتہ الامام للناس

اور بیش قیمت پوشاک کی وجہ سے نظر نہیں ٹھہرتی۔

ایک وہ وقت تھا کہ مکّہ کا نازوں کا پلا امیر زادہ مصعب بن عمیرؓ کہ جو جس وقت مکّہ کی گلیوں میں نکلتا تھا تو دو دو سو روپیہ سے کم کی پوشاک جسم پر نہ ہوتی تھی اور آگے پیچھے غلام ہوتے تھے اور جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ہی محبت تھی اور جس کے ہاتھ میں جنگ احد میں مسلمانوں کا جھنڈا تھا جب احد میں شہید ہوتا ہے تو اس کے ترکہ میں اور مسلمانوں کے پاس اتنا نہیں ہوتا کہ اس کو فراغت سے کفن دے سکیں، صرف ایک کمبل ہوتا ہے کہ جب اس سے سر چھپاتے ہیں تو پیر کھل جاتے ہیں اور پیر چھپاتے ہیں تو سر کھل جاتا ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سر چھپا دو اور پیر پر گھانس ڈال دو۔

حیرت اور ایسی حیرت ہے کہ عقل کام نہیں کرتی اور سکتہ طاری ہو جاتا ہے بھلا ان شتربانوں اور خانہ بدوشوں کی کیا کایا پلٹ ہوئی کہ پلک جھپکاتے میں شتربان سے جہاں بان بن گئے، قیصر وکسریٰ کے تاج پیروں سے روندے، زمین کا جغرافیہ بدل دیا، دنیا کی تاریخ بدل دی، دنیا بدل دی، پھر دیکھتے دیکھتے ایسی کایا پلٹ ہوئی کہ جہاں سے چلے تھے اس سے بھی پیچھے ہٹ گئے، وہ کیا چیز تھی جو آئی اور گئی؟ حیرت اس کی ہے کہ جب وہ مٹھی بھر تھے، ایک گھر بھر بھی نہیں تھے تو بحر و بر پر چھائے ہوئے تھے، ہوا کی طرح کوئی جگہ ان سے خالی نہیں تھی، اور جب مور و ملخ کی طرح ہوئے تو ان کا نشان نہیں ملتا، سب سے بڑھ کر حیرت اس کی ہے کہ وہ بھی زیادہ سے زیادہ مسلمان کہلاتے تھے اور یہ بھی کم سے کم مسلمان کہلاتے ہیں، حیرت ہے کہ کیا یہ مجمع جو دنیا میں سب سے زیادہ بے فکر و مطمئن نظر آتا ہے، فکر و تردد اس

سے کوسوں دور معلوم ہوتا ہے جس کو بظاہر دنیا کے ہر کام سے فراغت ہو چکی ہے یہی حقیقۃً دنیا کی سب سے بڑی گرانبار، ذمہ دار اور مصروف قوم ہے جو روئے زمین سے برائی اور بد اخلاقی دور کرنے اور گناہ اور ظلم مٹانے کے لئے، نیکی کی اشاعت، مظلوموں کی حمایت، امن کی حفاظت کے لئے بھیجی گئی ہے، کیا یہ اپنا کام ختم کر چکے؟ کیا دنیا سے برائیاں اور بد اخلاقیاں دور ہو چکیں؟ کیا اب کسی پر اور خود اس پر ظلم نہیں ہوتا؟

کیا اسی کے حقیقی بھائیوں کے ساتھ، مراکش، الجزائر، تیونس، طرابلس، بخارا، سمرقند وغیرہ میں جانوروں سے بدتر سلوک نہیں کیا گیا ہے؟ دشمنوں کو ان کی حالت پر رحم آرہا ہے، اور سوچنے والوں کی نیند اچاٹ ہو جاتی ہے اور کھانے پینے میں مزا نہیں آتا، کیا ان کو اس کی خبر نہیں یا اثر نہیں؟ دونوں حد درجہ حیرت ناک ہیں[1]

---

[1] شمالی افریقہ اور مشرقی ترکستان کے خالص قدیم اسلامی ملک جہاں فرانس اٹلی اور روس کے ہاتھوں مسلمانوں پر اب سے چند سال پہلے وہ ظلم ہوئے جس سے ہر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہزاروں واقعات میں سے ایک دو واقعہ پیش کئے جاتے ہیں جن کی یورپین نامہ نگاروں نے روایت کی ہے اور تصدیق کی ہے اور جن میں شک کی گنجائش نہیں۔ اٹلی نے طرابلس کے ۸۰ ہزار عرب مسلمانوں کو جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے بیک وقت ان کے گھروں سے نکال کر ریگستان میں ڈال دیا۔ جہاں نہ سبزہ نہ پانی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مویشی تو تمام مر گئے اور وہ ان کے بچے اور عورتیں بھی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے لگیں۔ جب بہت فریاد کی تو حکومت کے سپاہی آئے اور جتنے لوگ قابل تھے سب فوج میں جبراً بھرتی

کیا جن کے چہروں پر فاتحانہ مسرت، لبوں پر کامرانی کی مسکراہٹ آنکھوں میں شادمانی کی چمک ہے، دنیا کی وہی سب سے بڑی مصیبت زدہ اور بدبخت قوم ہے جس پر روز بروز زمین تنگ ہوتی جارہی ہے اور جس کے وہ ملک ہاتھ سے نکل گئے جو دل کے ٹکڑوں اور اولاد سے بڑھ کر تھے [1] جن کے ایک ایک بالشت کی قیمت مسلمانوں نے خالدؓ اور ابو عبیدہؓ، سعدؓ و معاذؓ، طارقؒ و محمد بن قاسم، نور الدین و صلاح الدین

کر دئے گئے اور شیر خوار بچے ماؤں سے لے کر عیسائی مشن اسکولوں اور تربیت گاہوں میں داخل کر دیئے گئے۔ سینکڑوں ہزاروں کو ساتھ باندھ کر سمندر میں ڈال دیا۔ ان کی بندھی ہوئی لاشیں سمندر کے کناروں پر مدتوں کے بعد ملی ہیں سر کردہ لوگوں کو ہوائی جہاز پر بٹھا کر اوپر سے پھینک دیا گیا، عورتوں پر گولیاں چلائی گئیں، الجزائر اور مراکش میں مذہبی آزادی بالکل سلب کر لی گئی، فرائض پر بیجا پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ اور بربری مسلمانوں کو زبردستی عیسائی بنایا جارہا ہے۔ روسی ترکستان میں اللہ کا نام لینے کی سزا قتل ہے۔ عورتوں کی بے عزتی، مساجد کی بے حرمتی ادنیٰ بات ہے، مقتولوں اور قیدیوں کا کوئی شمار نہیں، فلسطین میں عربوں کی جگہ پر یہودیوں کو بسایا گیا اور عربوں پر زندگی تنگ کر دی گئی (۱۹۴۸ء) میں فلسطین کو تقسیم کر دیا گیا اور زرخیز علاقہ یہودیوں کو دے دیا اور عربوں کی مرضی کے خلاف اسرائیلی حکومت قائم کر دی گئی اس کے بعد عربوں پر کیا گزری یہ ایک تکلیف دہ بیان ہے، یہودیوں نے وحشت و بربریت کا پورا ثبوت دیا اور عربوں کا قتل عام کیا گیا عرب بھاگ کر عرب حکومتوں میں پناہ گزین ہوئے اور آج تک ان کو سکھ نصیب نہ ہوا، اسرائیلی حکومت عربوں کے لئے ایک مستقل خطرہ بنی ہے اور اس کی نگاہیں مرکز اسلام تک جارہی ہیں [1] دوسری جنگ عظیم کے بعد عرب ملک رفتہ رفتہ

کی جان اور خون سے ادا کی تھی۔ جن میں کا ہر ایک اِس وقت کے کل مسلمانوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ کاش کہ اُن میں کا ایک ہی ہوتا، اور اِن میں کا ایک بھی نہ ہوتا۔

کیا یہ وہی قوم ہے جن کی عزّتیں، جن کی آبرو، جن کے نبی کا ناموس اور جن کے شعائر دینی کسی وقت محفوظ نہیں؟

اور جن کی زندگی اور موت جن کے قلب اور دماغ اور جن کی اولاد بھی دوسروں کے ہاتھوں میں رہ چکی ہو یا ہو۔

کیا یہ وجیہہ چہرے، یہ شاندار و باوقار صورتیں، یہ بارعب جسم وہی ہیں جو تجربہ کار دشمن و دوست کی نظر میں حقیر، بے وقار و بے رعب ہیں؟

واذا رأيتهم تعجبك اجسامهم وان يقولوا تسمع لقولهم كانهم خشب مسندة يحسبون كل صيحة عليهم (المنافقون)	اور جب تم ان کو دیکھو گے، ان کے جسم بڑے بھلے معلوم ہوں گے، اور جب یہ کچھ کہنے لگیں گے تو تم کان لگا کر سننے لگو گے لیکن ان کی حقیقت کیا ہے۔ گویا کہ یہ ٹیک لگائی ہوئی لکڑیاں ہیں ہر آواز کو اپنے خلاف ہی سمجھتے ہیں۔

اور یہ کیا جو کاندھے سے کاندھا ملائے، پہلو بہ پہلو کھڑے ہیں، یہاں اور یہاں سے باہر عدالتوں میں اور عدالتوں سے باہر دشمنوں کی طرح لڑ چکے ہیں اور لڑتے رہتے ہیں۔ یہ کاندھے سے کاندھا پہلو سے پہلو ملائے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کے دل

استعماری پنجوں سے آزاد ہوتے جا رہے ہیں؟ اور وہ خود آزادی کی سانسیں لے رہے ہیں۔ اور مسرت کی بات ہے کہ استعماری طاقت کی گرفت روز بروز ڈھیلی ہوتی جا رہی ہے۔ (مث)

بالکل الگ ہیں۔

تحسبہم جمیعاً وقلوبہم شتّیٰ — تم ان کو اکٹھا سمجھتے ہو، حالانکہ ان کے دل علیحدہ ہیں۔

کیا وہ قوم قیامت تک بھی کبھی مسرور و مطمئن ہو سکتی ہے جس کی تاریخ میں ایک مرتبہ بھی اسپین کا واقعہ ہو چکا ہو اور جس کے بعض اور دوسرے ممالک بھی اسپین بن چکے ہیں؟

کیا وہ قوم اطمینان کی سانس لے سکتی ہے جو اپنے نبی کی وصیت اخرجو الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب (یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دو) پوری نہ کر سکتی ہو؟

کیا وہ قوم جس کے اوقاف و املاک، مساجد اور مآثر و مشاہد، خانقاہوں اور دوسری دینی اور قومی یادگاروں پر دوسروں کا قبضہ ہو، اپنے کو کچھ بااختیار سمجھ سکتی ہے؟

حسرت جتنا علم ہوتا جا رہا ہے اتنے ہی آنکھوں سے پردے اٹھتے جاتے ہیں اور دل کی حالت بدلتی جاتی ہے۔ اکثر اطمینان کے بجائے حیرت اور مسرت کے بجائے حسرت ہوتی ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا (اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے)

آپ جب دیکھتے ہیں کہ ایک ضعیف پیر مرد کے جوان جوان توانا و تندرست بیٹے اور پوتے ہیں تو آپ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑھاپے میں اس کا سہارا اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، ان کو دیکھ کر اس کا دل باغ باغ ہو جاتا ہوگا کہ جو باغ میں نے اپنے

ہاتھ سے لگایا تھا وہ میری زندگی میں پھل پھول رہا ہے، ایسے اقبال مند تھوڑے ہوتے ہیں۔ اس کی مٹی ٹھکلانے لگے گی، مگر جب وہ پیرمرد ان کو دیکھتا ہے تو دل پکڑ کر رہ جاتا ہے کہ ان میں سے ایک بھی مرتے ہوئے میرے حلق میں پانی ٹپکانے کا روادار نہیں، وہ کہتا ہے کہ کاش کہ یہ نہ ہوتے تو یہ حسرت تو نہ ہوتی کہ ہو کر کے بھی میرے نہیں۔

یہی حالت اس وقت ہماری ہے، اسلام جب اپنی اولاد پر نظر ڈالتا ہے تو کہتا ہے "بہت ہیں اگر کام کے ہوتے تو ان سے بہت کم بھی کافی تھے، یہ سب میرے ہی نام سے پکارے جاتے ہیں اور میرے ہی کہلاتے ہیں لیکن ان میں سے میرے کام کے تھوڑے ہیں" خدا کا شکر ہے کہ آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ عیب چھپے ہوئے ہیں، اگر پردہ اٹھ جائے تو آنکھیں دیکھیں کہ کمزوریوں کا نقائص کا عیوب کا اور گناہوں کا بازار اور میلہ لگا ہوا ہے اور ان زرق برق لباسوں میں بہت سے جانور اور درندے ہیں۔

لیکن اگر ہماری آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے تو عالم الغیب تو دیکھ رہا ہے۔ وہ صورتیں نہیں دیکھتا، نام نہیں پوچھتا، وہ دل اور عمل دیکھتا ہے، ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اموالکم و لکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم (اللہ تمہاری صورتیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا، بلکہ تمہارے دل اور اعمال دیکھتا ہے) وہ دیکھ رہا ہے کہ یہ انسان نہیں انسانوں کا کوڑا کرکٹ ہیں۔ جن میں دانے اور کام کے موتی بہت تھوڑے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم پر قومیں اس طرح اکٹھا ہو

جائیں گی جس طرح کھانے والے لگن پر، لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ ہماری تعداد کی کمی کی وجہ سے ؟ فرمایا نہیں۔ تم بہت ہوگے لیکن تمہارا رعب ان کے دلوں سے اٹھ جائے گا۔ تم سیلاب کے کوڑے کرکٹ کی طرح ہو جاؤ گے۔

یہ تو اللہ دیکھتا ہے۔ لیکن ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ :۔

(۱) ان میں سے بیسیوں وہ لوگ ہیں جو کلمہ کے معنی نہیں جانتے اور شرک و توحید و رسالت کے متعلق سرے سے ان کا کوئی عقیدہ ہی نہیں، ایسے بھی ہیں جن کو کلمہ بھی یاد نہیں، ایسے کثرت سے ہیں جن کے دل میں توحید پوری طرح سے نہیں اتری نہ شرک سے ان کو کوئی نفرت ہے، ایسے بھی کچھ کم نہیں کہ قرآن مجید کے مطابق صریح شرک و بت پرستی میں مبتلا ہیں۔

(۲) ایسے سینکڑوں ہیں جو اسلام کو بالکل نہیں سمجھتے نہ کبھی سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کو اسلام یا اسلامی نام گھر کے سامان اور روایات کے ساتھ باپ دادا کے ترکہ میں ملا ہے۔ اس کے متعلق ان کو اور کوئی علم نہیں، وہ نہیں جانتے اللہ ان سے کیا چاہتا ہے؟ اسلام کے کیا حقوق اور شرائط ہیں؟ اسلام نے ان کی زندگی میں کوئی درستی یا فرق کیا یا نہیں؟

(۳) ایسے بہت ہیں جن کی زندگی اور موت کسی طرح اسلامی نہیں، اور ان کے رسم و رواج، شادی غمی، تمدن و معاشرت، وضع قطع، نشست و برخاست، معاملات و تعلقات کسی سے بھی کوئی ان کو مسلمان نہیں سمجھ سکتا۔

(۴) ایسے اکثر ہیں جو کسی معنی میں اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے مفید نہیں اور ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

(۵) ایسے بہت ہیں کہ ان سے اسلام کے نام اور اس کی شہرت و عزت وکامیابی کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ ان کو دیکھ کر اور ان کے ساتھ رہ کر لوگ اسلام سے بدعقیدہ اور کبھی مرتد ہو جاتے ہیں۔

(۶) بہت سے ایسے ہیں جن کو اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے اسلامی شعائر اور مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کے لئے مفت اور بہت تھوڑی قیمت پر ہر وقت استعمال کیا جاسکتا ہے۔

(۷) ایسے بہت زیادہ ہیں جن کو اسلام کے ساتھ کوئی دلچسپی اور مسلمانوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں، ان کو ان کی مشکلات وضروریات کا کوئی علم نہیں وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ مسلمان کہاں کہاں بستے ہیں اور وہ ان کے لئے کیا کر سکتے ہیں؟

(۸) ایسے بھی ہیں جو مسلمانوں کو حقیر سمجھتے ہیں، مسلمان کہلانے سے شرماتے ہیں، اور مذہب پر ہنستے ہیں۔

(۹) ایسے بہت سے ہیں جو اپنی اور مسلمانوں کی حالت پر قانع ہیں۔ انہیں اسلام اور مسلمانوں کی عزت اور ترقی کے دیکھنے کا کہیں کوئی شوق اور ارمان نہیں ہوتا اور نہ ذلت سے کوئی تکلیف ہوتی ہے، ان کو یہ چیز کوئی غیر معمولی نہیں معلوم ہوتی۔ بہت سے ایسے ہیں کہ خود اپنی نظر میں ان کی کوئی عزت نہیں، وہ اپنی قیمت نہیں جانتے، اپنی تاریخ، اپنے ماضی، اپنے اسلاف اور بزرگوں سے بالکل ناواقف ہیں۔ وہ کسی وقت ان پر فخر اور اپنے اسلام پر شکر نہیں کرتے اور نہ ان کو ان کی پیروی کا شوق ہے۔ اور نہ کھوئی چیزوں کا افسوس، ان کے سامنے اسلام کا کوئی اصلی نمونہ اور اس کا کوئی بلند تخیل نہیں اس لئے وہ سست، دل شکستہ اور مایوس ہیں۔

(۱۰) اکثر ایسے ہیں جو محض دیکھا دیکھی اور رسمی مسلمان ہیں۔ اس لئے نہ ان کو اسلام کا علم ہے نہ اس پر فخر و شکر ہے نہ اس میں ان کو کوئی لطف ہے اور نہ ان کے اخلاق و اعمال پر اس کا نور و برکت و اثر ہے۔

بتایئے کہ ایسے مجمع کو دیکھ کر کیا خوشی ہو؟ حقیقت میں آج کل جہاں مسلمان جمع ہو جائیں وہاں عقائد و مذہب کا عجائب خانہ، دینی اور روحانی امراض کا بیمار خانہ، عیوب کا بازار لگ جاتا ہے۔ مگر ع

یہ رونے کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

عبرت اب مسرت و حیرت و حسرت کے بعد عبرت ہی کا درجہ ہے مبارک ہیں وہ لوگ جو اس درجہ کو بھی طے کرلیں۔ ان فی ذالک لعبرۃ لاولی الابصار۔

آیئے ہم اپنا مقابلہ اسلام کے پہلے نمونوں سے کریں!

۱۔ صحابہؓ گنتی کے تھے، اور تمام دنیا پر بھاری تھے۔	۱۔ ہم لاتعداد ہیں اور زمین پر بھاری ہو رہے ہیں۔
۲۔ صحابہؓ بادشاہوں پر سلطنت کرتے تھے۔	۲۔ ہمیں غلاموں اور غلاموں کے غلاموں کی غلامی بھی ہزار دقت سے نصیب ہوتی ہے۔
۳۔ صحابہؓ کچھ نہ تھے اور سب کچھ ہو گئے۔	۳۔ ہم سب کچھ تھے اور کچھ نہ رہے۔
۴۔ صحابہؓ کی دنیا عزت اور اطمینان سے بسر ہوتی تھی، اور آخرت اس سے کہیں بہتر۔	۴۔ ہماری زندگی سخت ذلت فکر و پریشانی سے گزرتی ہے اور آخرت کی بھی بظاہر امید اچھی نہیں۔

اب ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ یہ کس چیز کی نحوست اور وہ کس چیز کی برکت تھی؟

صحابہؓ کے پاس کون سا کیمیا کا نسخہ تھا کیا کرامت تھی ان کی زندگی میں؟ بیٹھے بیٹھے کیا انقلاب ہوا جس نے دنیا میں انقلاب کر دیا؟ ان کی پوری زندگی کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سوا کوئی قابل ذکر غیر معمولی واقعہ نہیں ہوا کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی و موت، عقل و رائے، دل و دماغ، مرضی و اختیار اور اپنی پوری مشین کی کنجی ایک ایسے انسان کے سپرد کر دی تھی جو معصوم تھا، خود دنیا کا سب سے بڑا حکیم تھا اور جو خدا کے مشورہ و حکم سے کام کرتا تھا، جس سے غلطی ہونی ممکن نہیں، اسی کی وحی سے بات کرتا تھا۔ اسی کی روشنی میں چلتا تھا۔ ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ۔ رسولؐ اپنی خواہشات سے بات نہیں کرتا اس کی گفتگو محض وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے۔ وہی ان کو اٹھاتا تھا بٹھاتا تھا چلاتا تھا پھراتا تھا، جدا کرتا تھا ملاتا تھا۔ ؎

بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی ٭ شریعت کے قبضے میں تھی باگ ان کی

جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ ٭ جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ

پھر دنیا میں کونسی قوت کونسی عقل تھی جو ان کا مقابلہ کرتی؟ وہ خدا کی تقدیر اور قضاء مبرم بن گئے تھے، جو ٹل نہیں سکتی تھی۔ وہ خود کیا کر رہے تھے اللہ اور اس کا رسولؐ کر رہا تھا۔

جس وقت اس نادان کمسن بچے (امت) نے اس اتالیق اعظمؐ، اس مربی اکبرؐ اس دانا جہاندیدہؐ کی انگلی چھوڑ دی، وہ پیچدار گلیوں میں، بھیڑ میں پڑ گیا[1]۔ وہ جتنا چلتا ہے، اپنے گھر سے دور ہوتا جاتا ہے[2]۔ چلاتا ہے اور روتا ہے۔ مگر کوئی

[1] مذہب و عقائد کے جنگل اور بھول بھلیاں مراد ہیں۔

[2] مسلمانوں نے شریعت کا راستہ چھوڑ کر منزل مقصود کو جب پہنچنا چاہا دور ہوتے گئے۔

اس کا ہاتھ نہیں پکڑتا[1] وہ بھوکا ہے اور پیاسا ہے، مگر کسی کو اس پر ترس نہیں آتا۔[2]

وہ اتالیق اب بھی ان تمام لوگوں سے اس بچے سے زیادہ قریب ہے لہذا زیادہ شفیق ہے۔ جن کی صورت یہ تکتا ہے مگر وہ منہ پھیر لیتے ہیں۔ جن کا ہاتھ یہ پکڑنا چاہتا ہے۔ مگر وہ جھڑا لیتے ہیں۔ لیکن وہ بچہ اس[3] کی طرف کسی طرح متوجہ نہیں ہوتا۔

معلوم ہوا کہ ہم میں اور ان میں جو فرق ہے وہ اتباع کا ہے وہ نسخہ کیمیا (قرآن) اب بھی موجود ہے، استعمال کرنے کی دیر ہے۔ نسخہ استعمال کرنے والا اور پڑھنے والا برابر نہیں ہو سکتے۔

قرآن مجید پڑھو یا پڑھوا کر سنو، فرائض و احکام کی فہرست دیکھو، جو کمی ہو پوری کرو، اپنی اپنی اصلاح کرو، کہ قوم کی اصلاح اسی طرح ہو گی۔

---

[1] مسلمانوں کے سیاسی و اقتصادی مصائب جن میں ان کا کوئی دستگیر نہیں۔

[2] اس بے راہ وروی میں فقر و افلاس اور مالی مشکلات و اقتصادی ضروریات ہیں۔

[3] اتالیق اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

صورت اور حقیقت

۱۰

آپ تاریخ اسلام میں مسلمانوں کی ناکامی کی تلخ
داستانیں پڑھتے ہیں۔ یہ حقیقت کی شکست
کے واقعات نہیں یہ سب صورت کی شکست
و ہزیمت کے واقعات ہیں۔ صورت نے ہمیں
ہر معرکہ میں رسوا و ذلیل کیا ہے لیکن خطا ہماری
تھی۔ ہم نے غریب صورت پر حقیقت کا بوجھ
رکھنا چاہا۔ وہ اس بوجھ کو سہار نہ سکی۔ خود بھی
گری اور عمارت کو بھی زمین پر لے آئی۔

صورت اور حقیقت

صورت اور حقیقت میں بہت بڑا فرق ہے ایک چیز کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت، ان دونوں میں بہت بڑی مشابہت کے باوجود بہت بڑا فرق بھی ہوتا ہے، آپ روزمرہ کی زندگی میں صورت اور حقیقت اور ان کے فرق سے خوب واقف ہیں۔ میں اس کی دو مثالیں دیتا ہوں، آپ نے مٹی کے پھل دیکھے ہوں گے جو بالکل اصلی پھل معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن صورت و حقیقت میں زمین آسمان کا فرق ہے، اصل آم کوئی اور چیز ہے اور مٹی کا نقلی آم کوئی اور چیز، مٹی کے آم میں نہ اصلی آم کا ذائقہ ہے، نہ خوشبو نہ رس نہ نرمی نہ اس کی خاصیتیں، صرف آم کی شکل ہے اور اس کا رنگ وروغن، اس لئے اس کو آم کہیں گے مگر مٹی کا آم، یہ مٹی کا آم دیکھنے بھر کا ہے نہ کھانے کا نہ سونگھنے کا نہ ذائقہ نہ خوشبو۔

آپ مردہ عجائب خانہ میں گئے ہوں گے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ وہاں سب درندے اور سب جانور موجود ہیں، شیر بھی ہے اور ہاتھی بھی، تیندوا بھی اور چیتا بھی مگر بے حقیقت، بھُس بھری ہوئی کھالیں، جن میں نہ کوئی جان ہے نہ طاقت شیر ہے مگر نہ اس کی آواز ہے نہ غصّہ، نہ طاقت ہے نہ ہیبت۔

حقیقت کے مقابلہ میں صورت کی شکست اب میں یہ کہنا چاہتا

ہوں کہ صورت کبھی حقیقت کے قائم مقام نہیں ہوسکتی، صورت سے حقیقت کے خواص کبھی ظاہر نہیں ہوسکتے، صورت کبھی حقیقت کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ صورت کبھی حقیقت کا بوجھ سنبھال نہیں سکتی، جب صورت کسی حقیقت کے مقابلے میں آئیگی، اسکو شکست کھانا پڑیگی۔ جب صورت پر کسی حقیقت کا بوجھ ڈالا جائیگا صورت کی پوری عمارت زمین پر آرہیگی۔

صورت اور حقیقت کا یہ فرق ہر جگہ نمایاں ہوگا۔ ہر جگہ صورت کو حقیقت کے سامنے پسپا ہونا پڑے گا۔ یہاں تک کہ عظیم سے عظیم اور مہیب سے مہیب صورت اگر حقیر سے حقیر حقیقت کے مقابلہ میں آئے گی تو اس کو مغلوب ہونا پڑے گا۔ اس لئے ہر چھوٹی سے چھوٹی حقیقت ہر بڑی سے بڑی صورت کے مقابلہ میں زیادہ طاقت رکھتی ہے، حقیقت ایک طاقت ہے ایک ٹھوس وجود ہے، صورت ایک خیال ہے، دیکھئے ایک چھوٹا سا بچہ اپنے کمزور ہاتھ کے اشارہ سے ایک بھس بھرے مردہ شیر کو دھکا دے سکتا ہے، اس کو زمین پر گرا سکتا ہے اس لئے کہ بچہ خواہ کتنا ہی کمزور سہی ایک حقیقت رکھتا ہے شیر اس وقت صرف صورت ہی صورت ہے، بچہ کی حقیقت شیر کی صورت پر آسانی سے غالب آجاتی ہے۔

نفس کا دھوکا یہ عالم حقائق کا مجموعہ ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں ایک حقیقت رکھی ہے مال کی بھی ایک حقیقت ہے اس کی محبت طبعی اور اس کی خواہش فطری ہے اگر حقیقت نہ ہوتی تو اس کے متعلق احکام کیوں ہوتے۔ اس میں کشش کیوں ہوتی؟ اولاد ایک حقیقت ہے اس سے طبعی محبت اور فطری تعلق ہوتا ہے، اگر اولاد ایک حقیقت نہ ہوتی تو شریعت میں اس کی پرورش و نگہداشت کے احکام وفضائل کیوں ہوتے؟ اسی طرح طبعی ضروریات اور خواہشات کی بھی ایک حقیقت ہے

ان حقیقتوں پر ایک بالاتر، قوی تر حقیقت ہی غالب آسکتی ہے کوئی صورت غالب نہیں آسکتی۔ یہ حقائق کتنے باطل آمیز سہی ان پر فتح حاصل کرنے کے لئے اسلام وایمان کی حقیقت درکار ہے اسلام کی صورت کتنی ہی مقدس سہی ان پر فتح حاصل نہیں کر سکتی، اس لئے کہ ادھر حقیقتیں ہیں ادھر صرف صورت، آج ہم یہی دیکھ رہے ہیں کہ صورت اسلام ادنیٰ ادنیٰ حقائق پر غالب نہیں آرہی ہے، اس لئے کہ صورت میں دراصل کچھ بھی طاقت نہیں، ہماری صورت اسلام، صورت کلمہ، صورت نماز ہم سے ادنیٰ ترغیبات چھڑانے سے قاصر ہے، ادنیٰ عادات پر غالب آنے سے عاجز ہے، ہم کو موسم کی ادنیٰ سختی اور حقیر ترین خواہش کا مقابلہ کرنے کی طاقت عطا نہیں کرتی۔ آپ کا یہ کلمہ جو کبھی گردن کٹوا دینے کی طاقت رکھتا تھا، جو مال اور اولاد کو اللہ کی راہ میں بے تکلف قربان کرا دینے کی قوت رکھتا تھا، جو وطن چھڑا دینے اور تختہ دار پر چڑھا دینے کی قوت رکھتا تھا، آج وہ ان سردیوں میں صبح کی نماز کے لئے اٹھلنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ جو کلمہ زندگی بھر کی منھ لگی شراب کو شریعت کے حکم پر ہمیشہ کے لئے چھڑا سکتا تھا، آج اگر ضرورت پڑ جائے تو آپ کی ادنیٰ مرغوب چیز یا معمولی عادت بھی نہیں چھڑا سکتا، اسلئے کہ وہ کلمہ کی حقیقت تھی جس کے کارنامے آپ تاریخ اسلام میں پڑھتے ہیں، یہ کلمہ کی صورت ہے جس کی بے اثری آپ دن رات دیکھتے ہیں۔

ہم غلطی یہ کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کی تاریخ کو اپنے اوپر اوڑھنا چاہتے ہیں، اس کو اپنے اوپر منطبق کرنا چاہتے ہیں، جب وہ منطبق نہیں ہوتی، جب وہ لباس ہمارے اوپر راست نہیں آتا، جب جگہ جگہ جھول پڑ جاتے ہیں تو ہم شکایت کرتے ہیں، تعجب کرتے ہیں کہ کلمہ وہ بھی پڑھتے تھے ہم بھی پڑھتے ہیں، نماز وہ بھی پڑھتے تھے ہم بھی

پڑھتے ہیں، پھر کیوں اسی طرح کے واقعات ظہور میں نہیں آتے، کیوں اسی طرح کے نتائج وثمرات برآمد نہیں ہوتے؟ دوستو اور بزرگو! اپنے نفس کو دھوکہ نہ دو، وہاں کلمہ کی حقیقت تھی ایمان کی حقیقت تھی، یہاں کلمہ کی صورت ہے، ایمان کی صورت ہے، نماز کی صورت ہے، جس طرح املی کے بیج سے آم کے پھل کی توقع فضول ہے اسی طرح صورت سے حقیقت کے خواص کی امید بے کار ہے اور فریب نفس۔

حقیقت اسلام حضرت خبیبؓ کا واقعہ آپ نے سنا ہے پھانسی کے تختہ پران کو چڑھایا گیا، چاروں طرف سے نیزوں کی نوکوں نے ان کو کوچنا شروع کیا، برچھیوں نے ان کے جسم کو چھلنی کردیا، وہ صبر واستقامت کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے، عین اس حالت میں ان سے کہاجاتا ہے کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ تمہاری جگہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں؟ وہ تڑپ کر جواب دیتے ہیں کہ میں تو اس پر بھی راضی نہیں کہ مجھے چھوڑ دیا جائے اور حضور کے تلوہ میں کوئی کانٹا بھی چبھے، حضرات! کیا یہ صورت اسلام تھی جس نے ان کو تختۂ دار پر ثابت قدم رکھا اور ان کی زبان سے یہ الفاظ کہلواتے؟ نہیں، وہ اسلام کی حقیقت تھی جو ان کے ہر زخم پر مرہم رکھتی تھی، جو ہر نیزے کی چبھن پر ان کے سامنے جنّت کا نقشہ لاتی تھی اور انہیں دکھاتی تھی کہ یہ تمہاری اس تکلیف کا صلہ ہے بس چند لمحوں کا معاملہ ہے یہ جنّت تمہاری منتظر ہے، یہ خدا کی رحمت تمہاری منتظر ہے اگر تم نے اس فانی جسم کی اس فانی تکلیف کو گوارا کرلیا تو غیر فانی زندگی کی غیر فانی راحت تمہارا حصہ ہے، یہ عشق و محبت کی حقیقت تھی، جب ان سے کہا گیا کہ کیا تم کو یہ منظور ہے کہ تمہاری جگہ رسُول اللہ صلّی اللہ

علیہ وسلم ہوں؟ تو حضور کی صورت حقیقت بن کر ان کے سامنے آگئی اور ان کو گوارا نہیں ہوا کہ اس جسم اقدس کو ایک کانٹے کی بھی تکلیف ہو۔

یہ چند پاک اور بلند حقائق تھے جو درد و تکلیف کی حقیقت پر غالب آئے۔ صورت اسلام میں اس حقیقی درد و تکلیف کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہ پہلے تھی نہ اب ہے، صورت اسلام تو تکلیف کے تصوّرات اور خیالات کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ہم کو اور آپ کو معلوم ہے کہ گزشتہ فسادات کے موقع پر خیالی خطرات کی بنا پر لوگوں نے صورت اسلام بدل دی۔ مسلمانوں نے سروں پر چوٹیاں رکھیں اور غیر اسلامی شعار اختیار کئے، اس لئے کہ ان غریبوں کے پاس صرف صورت اسلام تھی جو اس میدان میں ٹھہر نہیں سکتی تھی۔

آپ نے سنا ہے کہ حضرت صہیبؓ رومی ہجرت کر کے جانے لگے تو کفار مکّہ نے ان کو راستہ میں روکا اور کہا کہ صہیبؓ تم جا سکتے ہو مگر یہ مال نہیں لے جا سکتے جو تم نے ہمارے شہر میں پیدا کیا ہے، اب حقیقتِ اسلام کا حقیقتِ مال سے مقابلہ تھا۔ حقیقتِ اسلام اپنی مقابل حقیقت پر غالب آئی، صورتِ اسلام ہوتی تو وہ حقیقتِ مال کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

آپ نے سنا ہے کہ حضرت ابو سلمہؓ جب ہجرت کر کے جانے لگے تو کفّار ان کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ تم جا سکتے ہو مگر ہماری لڑکی ام سلمہ کو نہیں لے جا سکتے، اب حقیقتِ اسلام کا ایک حقیقت سے مقابلہ تھا وہ حقیقت کیا تھی؟ بیوی کی محبت، جو ایک حقیقت تھی، لیکن اسلام کی حقیقت مومن کے دل میں ہر حقیقت سے زیادہ طاقتور اور گہری ہوتی ہے، انہوں نے بیوی کو اللہ کے حوالہ

کیا اور تن تنہا چل دیئے کیا صورتِ اسلام میں اتنی طاقت ہے کہ آدمی بیوی کو چھوڑ دے؟ ہم نے تو دیکھا ہے کہ لوگوں نے بیوی اور بچوں کے لئے کفر تک اختیار کر لیا اور صورتِ اسلام کی ذرا پروا نہیں کی ہے۔

آپ نے سنا ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کے باغ میں ایک چھوٹی سی چڑیا آ گئی اور اس کو پھر جانے کا راستہ نہ ملا، حضرت ابوطلحہؓ کی توجہ ہٹ گئی، نماز کے بعد انہوں نے پورا باغ صدقہ کر دیا۔ اس لئے کہ حقیقتِ نماز اس شرکت کو گوارا نہیں کر سکتی تھی، باغ کی بھی ایک حقیقت ہے اس کی سرسبزی، اس کی فصل، اس کی قیمت ایک حقیقت ہے، اس حقیقت کا مقابلہ صورتِ نماز نہیں کر سکتی تھی، اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت حقیقتِ صلوٰۃ ہی میں ہے، آج ہماری آپ کی نماز ادنیٰ ادنیٰ حقیقتوں کا مقابلہ اس لئے نہیں کر سکتی کہ وہ حقیقت سے خالی اور ایک صورت ہے۔

آپ نے سنا ہو گا کہ یرموک کے میدان میں چند ہزار مسلمان تھے، اور کئی لاکھ رومی، ایک عیسائی (جو مسلمانوں کے جھنڈے کے نیچے لڑ رہا تھا) کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ رومیوں کی تعداد کا کچھ ٹھکانا ہے؟ حضرت خالدؓ نے کہا خاموش! خدا کی قسم اگر میرے گھوڑے اشقر کے سُم درست ہوتے تو میں رومیوں کو پیغام بھیجتا کہ اتنی ہی تعداد اور میدان میں لے آئیں۔

حضرات! حضرت خالدؓ کو یہ اطمینان و اعتماد کیوں تھا اور وہ رومیوں کی تعداد کو بے حقیقت کیوں سمجھتے تھے؟ اس لئے کہ وہ حقیقتِ اسلام رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کے مقابل صرف رومیوں کی صورتیں ہیں، جو ہر طرح کی حقیقت سے خالی ہیں، یہ لاکھوں صورتیں اسلام کی حقیقت کے سامنے ٹھہر نہیں سکتیں۔

ہم یقیناً کلمہ پڑھتے ہیں، ہم میں سے بہت سے لوگ کلمہ کے معنی سے بھی واقف ہیں لیکن حقیقتِ کلمہ کوئی اور چیز ہے، وہ ان الفاظ اور معنی سے بہت بلند ہے کلمہ کی یہ حقیقت صحابہؓ کرام کو حاصل تھی، جب وہ کہتے تھے لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ تو واقعتہً سمجھتے تھے کہ اللہ کے سوا کوئی حاکم و بادشاہ نہیں، اللہ کے سوا کوئی محبت و خوف کے لائق نہیں، اللہ کے سوا کوئی امید و توقع کے قابل نہیں، اللہ کے سوا کسی کی ہستی کوئی ہستی نہیں، کیا یہ سب حقیقتیں ہم سب کے دل میں اتری ہوئی ہیں، ہمارے دماغ کے اندر بسی ہوئی ہیں، ہماری زندگی کے اندر جڑ پکڑے ہوئے ہیں؟ اگر ہم ان حقیقتوں سے واقف بھی ہوتے تو لا الہ الا اللہ کہتے ہوئے ہمیں احساس ہوتا کہ ہم کتنی بڑی بات کہہ رہے ہیں، جس کو اس حقیقت کا ذرا بھی احساس ہے اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے سمجھتا ہے کہ وہ کتنا بڑا دعویٰ کر رہا ہے۔

چو می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الہ را

ہم سب جانتے ہیں کہ آخرت برحق ہے۔ جنّت و دوزخ برحق ہیں، مرنے کے بعد یقیناً زندہ ہونا ہے، لیکن کیا سب کو ایمان کی وہ حقیقت حاصل ہے جو صحابہ کو حاصل تھی؟ اس حقیقت کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابی کھجور کھاتے کھاتے پھینک دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ان کے ختم ہونے کا انتظار کرنا میرے لئے بہت مشکل ہے اور فوراً بڑھ کر شہادت حاصل کرتا ہے، اس لئے کہ جنّت اس کے لئے ایک حقیقت تھی اور وہ حقیقت اس کے سامنے تھی۔ اس کی حقیقت جس کو حاصل تھی وہ قسم کھا کر کہتا تھا کہ مجھے اُحد پہاڑ کے اس طرف سے جنّت کی خوشبو آرہی ہے۔ یرموک کے

میدان میں ایک صحابی ابو عبیدہؓ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امیر! میں سفر کے لئے تیار ہوں کوئی پیغام تو نہیں کہنا ہے؟ وہ کہتے ہیں، ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہمارا اسلام عرض کرنا اور کہنا کہ آپ نے ہم سے جو وعدے فرمائے تھے وہ سب پورے ہو رہے ہیں، یہ ہے یقین کی حقیقت، اس حقیقت پر کونسی قوت غالب آسکتی ہے، اور ایسی حقیقت رکھنے والی جماعت پر کونسی جماعت غالب آسکتی ہے؟

صورت اسلام حفاظت کرنے کیلئے کافی نہیں امت میں جو سب سے بڑا انقلاب ہوا وہ یہ کہ اس کی ایک بڑی تعداد اور شاید سب سے بڑی تعداد میں صورت نے حقیقت کی جگہ لے لی۔ یہ آج کی بات نہیں، یہ صدیوں کی پرانی حقیقت ہے، صدیوں سے صورت نے حقیقت کی جگہ حاصل کر رکھی ہے۔ عرصہ تک دیکھنے والوں کو صورت پر حقیقت کا دھوکا ہوتا رہا اور وہ حقیقت کے ڈر سے اس صورت کے قریب آنے سے بچتے رہے لیکن جب کسی نے ہمت کر کے اس صورت کو چھوا تو معلوم ہوا کہ اندر سے پول ہے اور حقیقت غائب ہو چکی ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کبھی کبھی کاشتکار کھیت میں ایک لکڑی گاڑ کر اس پر کوئی کپڑا ڈال دیتا ہے جس کو دیکھ کر پرندوں اور جانوروں کو شبہہ ہوتا ہے کہ کوئی آدمی رکھوالی کر رہا ہے لیکن اگر کبھی کوئی سیانا کوّا یا ہوشیار جانور ہمت کر کے کھیت میں جا پڑے تو ظاہر ہے کہ وہ بے جان شبیہہ کچھ نہیں کر سکتی، پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جانور اس کھیت کو روند ڈالتے ہیں اور پرندے اس کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔

مسلمانوں کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا، ان کی صورت حقیقت بن کر برسوں

ان کی حفاظت کرتی رہی، قومیں ان کے قریب آنے سے ڈرتی تھیں، حقیقتِ اسلام کے واقعات ان کے ذہن میں تازہ تھے اور کسی کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی، لیکن کب تک؟ جب تاتاریوں نے بغداد پر چڑھائی کی جس پر حملہ کرنے سے وہ برسوں احتیاط کرتے رہے، تو اس صورت کی حقیقت کھل گئی اور مسلمانوں کا بھرم جاتا رہا۔ اس وقت سے صورت اسلام حفاظت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے، اب صرف حقیقتِ اسلام ہی اس امت کی حفاظت کر سکتی ہے۔

ہماری خطا آپ تاریخ اسلام میں مسلمانوں کی ناکامی کی تلخ داستانیں پڑھتے ہیں، یہ حقیقت کی شکست کے واقعات نہیں، یہ سب صورت کی شکست وہزیمت کے واقعات ہیں، صورت نے ہم کو ہر معرکہ میں رسوا وذلیل کیا ہے لیکن خطا ہماری تھی، ہم نے غریب صورت پر حقیقت کا بوجھ رکھنا چاہا وہ اس بوجھ کو سہار نہ سکی۔ خود بھی گری اور عمارت کو بھی زمین پر لے آئی۔

حقیقتِ اسلام مدّتوں سے میدان میں آئی ہی نہیں عرصہ دراز سے صورت اسلام معرکہ آزما ہے اور شکست پر شکست کھا رہی ہے اور حقیقتِ اسلام مفت میں بدنام اور دنیا کی نگاہوں میں ذلیل ہو رہی ہے، دنیا سمجھ رہی ہے کہ ہم اسلام کو شکست دے رہے ہیں، اس کو خبر نہیں کہ حقیقتِ اسلام تو مدّت سے میدان میں آئی ہی نہیں، اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی صرف صورت ہے نہ کہ اسلام کی حقیقت۔

مثال یورپ کی قوموں کے مقابلہ میں ترکی میدان میں آیا، لیکن اسلام کی ایک نڈھال صورت لے کر، یہ نحیف و نزار صورت مقابلہ میں ٹھہر نہ سکی۔ فلسطین میں تمام عرب قومیں

اور سلطنتیں مل کر یہودیوں کے مقابلہ میں آئیں لیکن حقیقتِ اسلام، شوق شہادت، جذبۂ جہاد اور ایمانی کیفیات سے اکثر عاری، عربی قومیت کے نشہ میں سرشار، صرف اسلام کے نام ونسبت سے آراستہ، نتیجہ یہ ہوا کہ اس بے روح صورت نے یہودیوں کی جنگی قوت وتنظیم واسلحہ کی حقیقت سے مات کھائی، اس لئے کہ صورت حقیقت کا مقابلہ نہیں کر سکتی، یہودی ایک حقیقت رکھتے تھے اگرچہ سرتاپا مادی، عرب صرف ایک صورت رکھتے تھے، اگرچہ مقدس، لیکن صورت صورت ہے اور حقیقت حقیقت ہے۔

رحمت ونصرت، تائید واعانت کے وعدے حقیقت سے متعلق ہیں

اسلام کی صورت اللہ کے یہاں ایک درجہ رکھتی ہے اس لئے کہ اس میں مدتوں اسلام کی حقیقت بسی ہوئی رہی ہے اور یہ اسلام کی حقیقت کا قالب ہے، اسلام کی صورت بھی اللہ کو پیاری ہے اس لئے کہ اس کے محبوبوں کی پسندیدہ صورت ہے، اسلام کی صورت بھی اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے اس لئے کہ اس صورت سے حقیقتِ اسلام کی طرف منتقل ہونا نسبتہً آسان ہے، جہاں صورت بھی نہیں وہاں حقیقت پر پہنچنا بہت مشکل ہے، لیکن دوستو! اللہ تعالیٰ کی رحمت ونصرت کے وعدے دنیا میں اور مغفرت ونجات اور ترقی درجات کے وعدے آخرت میں سب حقیقت سے متعلق ہیں نہ کہ صورت سے، حدیث میں ہے ان اللہ لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا ہے وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے جو لوگ صرف صورت کے حامل تھے اور حقیقت سے یکسر خالی تھے ان کو وہ ان لکڑیوں سے تشبیہ دیتا ہے جو کسی سہارے رکھی ہوئی ہیں، وہ فرماتا ہے:-

وَاِذَا رَاَیْتَہُمْ تُعْجِبُکَ اَجْسَامُہُمْ وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِہِمْ کَاَنَّہُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَۃٌ یَحْسَبُوْنَ کُلَّ صَیْحَۃٍ عَلَیْہِمْ۔

اگر تم ان کو دیکھو تو تم کو ان کے جسم بڑے بھلے ہوں گے وہ بات کریں گے تو تم کان لگا کر سنو گے لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ لکڑیاں ہیں، جو سہارے سے رکھی ہوئی ہیں، ہر آواز کو وہ اپنے خلاف ہی سمجھتے ہیں۔

دین کے اقتدار اور امن و اطمینان کا وعدہ

دنیا میں بھی فتح و نصرت و تائید و اعانت کے وعدے حقیقت ایمان ہی کے ساتھ مشروط ہیں، صاف فرماتا ہے :۔

وَلَا تَہِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

سست و غمگین نہ ہو، تم ہی سربلند ہو اگر تم (حقیقۃً) صاحب ایمان ہو۔

ظاہر ہے کہ اس آیت میں خطاب مسلمانوں ہی کو ہے لیکن پھر بھی شرط لگائی ہے کہ اگر تم میں حقیقت ایمان پائی جاتی ہے تو پھر تمہاری سربلندی میں شک نہیں۔

دوسری آیت میں بھی صفت ایمان ہی پر اپنی مدد کا وعدہ فرمایا :۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْہَادُ (المؤمن)

ہم ضرور ضرور اپنے پیغمبروں کی مدد کریں گے اور ان لوگوں کی جو صفت ایمان سے متصف ہیں دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی جب اللہ کے گواہ کھڑے ہوں گے۔

اسی حقیقت ایمانی پر خلافت ارضی، دین کے اقتدار اور امن و اطمینان کا وعدہ فرمایا ہے :۔

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنّھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکننّ لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنّھم من بعد خوفھم امناً۔

ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان رکھتے ہیں اور اور جن کے عمل صالح ہیں اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو زمین کی خلافت سے سرفراز کریگا جیسے ان لوگوں کو سرفراز کیا جو ان سے پہلے تھے اور ان کے دین کو جو اللہ کا پسندیدہ ہے اقتدار عطا فرمائے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

لیکن باوجود اس کے کہ یہ سارے وعدے ایمان وعمل صالح کی بنیاد پر تھے پھر یہ شرط فرمائی کہ یہ ضروری ہے کہ ان میں اسلام کی حقیقت (توحید کامل) پائی جائے۔

یعبدوننی لا یشرکون بی شیئاً ○ (النور)

(اس شرط سے) کہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔

امّت کی سب سے بڑی خدمت پس اس وقت سب سے بڑا کام اور امّت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اس کے عموم اور سواد اعظم کو صورت سے حقیقت کی طرف سفر کرنے کی دعوت دی جائے، صورت اسلام میں روح اسلام اور حقیقت اسلام پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، اس وقت امت کی سب سے بڑی احتیاج یہی ہے اسی سے اس کے سب حالات اور اس کے نتیجہ میں دنیا کے حالات بدلیں گے، دنیا کے حالات اس امّت کے حالات کے اور اس امّت کے حالات اس حقیقت کے تابع ہیں، یہ امّت حضرت مسیح (علیہ السلام) کے الفاظ میں زمین کا نمک ہے، دیگ کا مزا نمک کے تابع ہے اور نمک کا مزا اس کی نمکینی پر موقوف

ہے اگر نمک کی نمکینی ختم ہو جائے تو وہ نمک کس کام کا؟ اور پھر کھانے کو خوشذائقہ بنانے والی چیز کہاں سے آئے گی؟ آج ساری زندگی بے کیف اور بے روح ہے اس لئے کہ اس امت کی بڑی تعداد حقیقت سے عاری اور روح سے خالی ہے پھر زندگی میں روح اور حقیقت کہاں سے آئے گی؟

دوسری قوموں کی زندگی کی جڑیں خشک ہو چکی ہیں دنیا کی اور قومیں بھی ہیں جو ہزاروں برس سے اپنے مذہب کی حقیقت اور روح سے خالی ہو چکی ہیں اور ان میں صرف چند بے روح رسمیں اور چند بے حقیقت صورتیں رہ گئی ہیں، لیکن ان قوموں کی دینی و روحانی زندگی ختم ہو چکی ہے، ان کی زندگی کے سوتے خشک ہو چکے ہیں آج دنیا کی کوئی طاقت، کوئی شخصیت، کوئی اصلاح ان میں دینی زندگی اور حقیقی روح پیدا نہیں کر سکتی، ایک نئی قوم کا بن جانا ان قوموں کی دوبارہ زندگی سے آسان ہے، جن لوگوں نے ان قوموں میں از سر نو دینی زندگی اور اخلاقی روح پیدا کرنے کی انتہائی جد وجہد کی، وہ زمانہ حال کے وسائل اور سہولتوں کے باوجود سخت ناکام رہے اس لئے کہ درحقیقت ان میں ایمان ویقین اور دینی روح پیدا کرنے کا سرچشمہ عرصہ ہوا خشک ہو چکا ہے، زندگی کا سرا اور سررشتہ کٹ چکا ہے جب کسی درخت کی جڑ خشک ہو چکی ہو اور اس کی رگیں زمین چھوڑ چکی ہوں تو اس کی پتیوں کو پانی دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔

مسلمانوں کیلئے حقیقت کی طرف ترقی کرنے کی ضرورت لیکن اس امّت کی زندگی کا سرچشمہ موجود ہے اس امّت کی زندگی کا سرا موجود ہے اور یہ امّت اس سے وابستہ ہے، وہ ہے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان، آخرت اور

حساب کتاب کا یقین، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار، اس امت کا اس گئی گزری حالت میں بھی اللہ اور اس کے رسول سے جو تعلق ہے وہ دوسری قوموں کے خواص کو بھی نصیب نہیں، اس انحطاط کے زمانہ میں بھی جتنی حقیقت اس میں پائی جاتی ہے وہ دوسری قوموں میں مفقود ہے، اس کی کتاب آسمانی (قرآن مجید) محفوظ ہے اور اس کے ہاتھوں میں ہے، اس کے پیغمبر کی سیرت اور زندگی جو آج بھی ہزاروں لاکھوں دلوں کو گرما دینے اور زمانہ کے خلاف لڑا دینے کی طاقت رکھتی ہے مکمل طریقہ پر موجود ہے اور آنکھوں کے سامنے ہے۔ صحابہ کرام کی زندگی اور ان کی زندگی کا انقلاب اور ان کی کوششوں سے دنیا کا انقلاب نظر کے سامنے موجود ہے۔ یہ سب زندگی کے سرچشمے ہیں، یہ سب حرارت اور روشنی کے مرکز ہیں۔ صرف اس کی ضرورت ہے کہ اس امت میں صورت سے حقیقت کی طرف ترقی کی ضرورت کا عام احساس پیدا ہو، زندگی کے ان مرکزوں سے تعلق پیدا ہو اور مادی و معاشی انہماک سے اس کو ان مرکزوں سے اکتساب فیض کی فرصت ملے اور وہ اپنی اصلی زندگی کے چند دن گزار کر اپنی زندگی میں انقلاب اور اپنی پوری زندگی میں ایمان و احتساب اور اللہ کے وعدوں پر یقین اور اس کی رضا کے شوق میں کام کی روح پیدا کرے۔

ہماری دعوت صرف یہ ہے کہ :-

یا ایها الذین آمنوا آمنوا "اے مسلمانو، صورت اسلام سے حقیقت ایمان کی طرف ترقی کرو"

ہمارے مستقل ہفتہ وار اجتماعات جن کی ہم شہر شہر اور قصبہ قصبہ دعوت

دیتے ہیں، اسی لئے ہیں کہ ہر آبادی میں ایسے مرکز قائم ہوں جہاں مسلمان جمع ہو کر اپنی زندگی کا بھولا ہوا سبق یاد کریں، جہاں سے انھیں حقیقت اسلام کا پیغام ملے، جہاں سے ان کو اپنی کھوئی ہوئی زندگی کا سراغ لگے، جہاں سیرت نبویؐ اور اصلی اسلامی زندگی کے واقعات اور دین کی بنیادی و اصولی دعوت کے ذریعہ ان میں دینی جذبات و احساسات بیدار ہوں اور ان میں دینی انقلاب کی خواہش پیدا ہو، اگر یہ مرکز اور اس طرح کے اجتماعات نہ ہوئے تو بڑے پیمانے پر اور طاقتور اور مؤثر طریقہ پر امت کی اکثریت میں "حقیقت اسلام" اور روح اسلام" پیدا ہونے کی کیا توقع ہے؟

پھر ہم مسلمانوں کو اس کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ کچھ دن حقیقت اسلام کو حاصل کرنے اور اس کو اپنے میں راسخ کرنے کے لئے اپنے اوقات فارغ کریں اور اس ماحول سے نکل کر جس میں حقیقت اسلام پنپنے اور ایمانی کیفیات ابھرنے نہیں پاتیں، ایک ایسے ماحول میں وقت گزاریں جہاں اصلی زندگی کی جھلک موجود ہو، جہاں علم و ذکر، دعوت و تبلیغ، خدمت و ایثار، تواضع و خلق، محنت و جفاکشی کی زندگی ہو، ہم اس وقت مسلمانوں کو اس مقصد کیلئے جماعتوں کی شکل میں نکلنے کی دعوت دیتے ہیں، اگر مسلمانوں کی بڑی تعداد اس کو جزء زندگی بنالے اور اس کا رواج پڑ جائے تو ہم کو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ کروڑوں مسلمانوں تک حقیقت اسلام کا یہ پیغام پہنچ جائے گا۔ اور لاکھوں مسلمانوں کی زندگی میں دینی روح، ایمان و اسلام کی حقیقت اور اس کی صفات و کیفیات پیدا ہو جائیں گی۔

حقیقت اسلام دوبارہ پیدا ہوسکتی ہے

حضرات! ہم اس سے

بالکل مایوس نہیں ہیں کہ اس زمانہ میں حقیقتِ اسلام پیدا نہیں ہو سکتی، ہم کسی ایسے زمانہ اور انقلاب کے قائل نہیں جس میں حقیقت اسلام دوبارہ پیدا نہیں کی جا سکتی، آپ پیچھے مڑ کر دیکھئے، تاریخ کے سمندر میں آپ کو حقیقت اسلام کے جزیرے بکھرے ہوئے نظر آئیں گے، بارہا حقیقت اسلام ابھری اور ایمانی کیفیات پیدا ہوئیں۔ وہی اللہ اور رسول پر یقین و اعتماد، وہی شہادت کا ذوق، جنت کا شوق، وہی دنیا پر آخرت کی ترجیح، جب کبھی اور جہاں کہیں حقیقتِ اسلام پیدا ہو گئی اس نے ظاہری قرائن و قیاسات کے خلاف حالات پر اور مخالف طاقتوں پر فتح پائی ہے۔ تمام گزرے ہوئے واقعات کو دہرا دیا ہے اور قرن اول کی یاد تازہ کر دی ہے۔

حقیقت اسلام میں آج بھی طاقت ہے

حقیقتِ اسلام اور حقیقت ایمان میں آج بھی وہی طاقت ہے جو ابتدائے اسلام میں تھی، آج بھی اس سے وہ تمام واقعات ظاہر ہو سکتے ہیں جو اس سے پہلے ظاہر ہوئے ہیں۔ آج بھی اس کے سامنے دریا پایاب ہو سکتے ہیں۔ سمندر میں گھوڑے ڈالے جا سکتے ہیں، درندے جنگل چھوڑ کر جا سکتے ہیں بھڑکتی ہوئی آگ گلزار بن سکتی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ حقیقت ابراہیمی موجود ہو ۔

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

انسان کی تلاش

۱۱

آج جس انسان کو طالب خدا ہونا چاہیئے تھا،
اس کی معرفت اور محبت سے اپنا ویران دل
آباد، اپنا اندھیرا دماغ روشن، اپنی بے مقصد
و بے کیف زندگی با مقصد اور پر کیف بنانی
چاہیئے تھی۔ صد حیف کہ وہ انسان حقیقی محبت،
صحیح معرفت سے محروم ہے، اس لیے زندگی
کی اصل لذت سے محروم ہے اور حقیقی انسانیت
سے محروم ہے اور افسوس ہے کہ لاکھوں کروڑوں
انسانوں کو اس محرومی کا احساس بھی نہیں۔

انسان کی تلاش

مجھے انسان کی تلاش ہے

عزیزو اور دوستو! آج سے پورے سات سو برس پہلے ترکی کی حدود میں ایک بڑے مشہور شاعر اور حکیم گزرے ہیں جن کا نام مولانا رومؒ ہے۔ آپ نے ان کی مثنوی سنی ہوگی، انہوں نے ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے وہ میں آپ کو سناتا ہوں، وہ فرماتے ہیں کہ "کل رات کا واقعہ ہے ایک ضعیف العمر آدمی چراغ لئے شہر کے گرد گھوم رہے تھے اور اندھیری رات میں کچھ تلاش کر رہے تھے، میں نے کہا حضرت سلامت، آپ کیا تلاش کر رہے ہیں، فرمانے لگے کہ ـــــــ " مجھے انسان کی تلاش ہے۔ میں چوپایوں اور درندوں کے ساتھ رہتے رہتے عاجز آگیا ہوں، میرا پیمانۂ صبر لبریز ہوچکا ہے، اب مجھے ایک ایسے انسان کی تلاش ہے جو خدا کا شیر اور مرد کامل ہو"۔ میں نے کہا" بزرگوار! اب آپ کا آخری وقت ہے، انسان کو آپ کہاں تک ڈھونڈیں گے؟ اس عنقا کا ملنا آسان نہیں، میں نے بھی بہت ڈھونڈا ہے لیکن نہیں پایا"۔ ان بزرگ نے جواب دیا کہ" میری ساری عمر کی عادت ہے کہ جب کسی چیز کو سنتا ہوں کہ وہ نہیں ملتی تو اس کو اور زیادہ تلاش کرتا ہوں، تم نے مجھے اس بات

پر آمادہ کر دیا کہ میں اس گمشدہ انسان کو اور زیادہ ڈھونڈوں اور اس کی تلاش سے کبھی باز نہ آؤں۔"

حضرات! یہ ایک شاعر کا مکالمہ ہے، آپ کو شاید تعجب ہو کہ کیا کوئی ایسا بھی وقت تھا کہ انسان بالکل نایاب ہو گیا تھا؟ مولانا رومؒ نے ہمارے ذہن میں ایک سوال پیدا کر دیا کہ کیا ہر انسان انسان نہیں ہے اور کیا انسانوں کی بڑی بڑی آبادیوں میں بھی انسان نایاب ہے؟ ہم تو سمجھتے تھے کہ انسان کی ایک ہی قسم ہے اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو دیکھنے میں انسان ہے لیکن حقیقت میں انسان نہیں ہے، اور دنیا میں ہمیشہ انہیں لوگوں کی کثرت رہی ہے، دوسرے وہ جو حقیقت میں انسان ہیں اور وہ کبھی ایسے گم ہو جاتے ہیں کہ ان کو چراغ لے کر ڈھونڈنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

مولانا رومؒ کو سات سو برس ہو چکے، ان کے بعد سے دنیا میں بڑی ترقیاں ہوئیں، ہر شہر میں انسانوں کی تعداد بڑھتی رہی ہے اور آج کی انسانی آبادی پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہے اور اس کی ترقیاں بھی بہت وسیع ہیں: آج انسان نے بجلی، بھاپ، ہوا اور پانی پر قبضہ جما لیا ہے۔ ہوائی جہاز، ریڈیو، ٹی وی اور ایٹم بم سے انسانوں کی ترقی اور فتوحات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن دوستو! انسانوں کی ترقی کا اندازہ مردم شماری کے نقشوں اور بڑے بڑے متمدن اور ترقی یافتہ ملکوں کی تصویروں سے کرنا صحیح نہیں ہے، انسانیت کی ترقی ان مادی ترقیات کا نام نہیں ہے اور محض نسل انسانی کی ترقی کو انسانیت کی ترقی نہیں کہا جا سکتا، انسانیت کی ترقی کا اندازہ انسانوں کے اخلاق و کردار سے ہوتا ہے اور اخلاق و کردار کا اندازہ آپس میں ملنے جلنے،

ریل کے ڈبوں، پارکوں، ہوٹلوں، دفتروں اور بازاروں میں ہوسکتا ہے اُردو کے مشہور شاعر اکبر نے بالکل صحیح کہا ہے ؎

نقشوں کو تم نہ جانچو، لوگوں سے مل کے دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے، کیا چیز مر رہی ہے

انسانیت سے بغاوت انسانیت کا صحیح اندازہ امتحان پڑنے پر اور ایسے مواقع پر ہوتا ہے جب ہر قسم کے ذرائع اور مواقع حاصل ہوں کہ چوری، گناہ، حق تلفی کی جا سکے مگر انسان کے اندر کی کیفیات اس کا ہاتھ پکڑ لیں، جہاں انسانیت کا گلا گھونٹا جا رہا ہو وہاں انسانیت اپنا جوہر دکھائے، انسانیت کا انداز ہماری موجودہ زندگی کے سانچوں اور مادی ترقی کے پیمانوں سے نہیں ہوسکتا۔

انسانیت درحقیقت ایک بڑا مرتبہ ہے لیکن انسانیت کے خلاف انسان ہمیشہ خود بغاوت کرتا رہا ہے، اس کو انسانیت کی سطح پر قائم رہنا ہمیشہ دوبھر اور مشکل معلوم ہوا ہے، وہ کبھی نیچے سے کترا کر نکل گیا اور اس نے کبھی اپنے آپ کو انسانیت سے برتر سمجھا یعنی اس نے کبھی انسانیت سے بالاتر کہلوانے اور خدا اور دیوتا بننے کی کوشش کی، اور سچی بات یہ ہے کہ لوگوں نے خدا اور دیوتا بننے کی کوشش کم کی، لوگوں نے انہیں خدا اور دیوتا بنانے کی کوشش زیادہ کی۔ ہم اگر فلسفہ اور روحانیت کی تاریخ پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ لوگ انسانیت سے بلند تر کسی مرتبہ کی تلاش میں رہے اور انسانوں کو انسانوں کا صحیح مقام سمجھانے کے بجائے اس سے اونچا ہونے کی فکر کرتے رہے اس کے بالمقابل دوسری کوشش یہ رہی کہ انسان کو انسانیت سے گرا دیا جائے، وہ حیوانی اور نفسانی زندگی کا عادی بنے اور دنیا

میں من مانی زندگی کا رواج ہو۔

ان دونوں کوششوں کے نتائج دنیا میں ہمیشہ خراب ہوئے ہیں جب انسان کو انسانیت سے اٹھا کر خدا یا دیوتا بنا گیا تو دنیا میں بدنظمی پھیلی اور بڑا فساد برپا ہوا، دنیا میں لوگوں نے جب خدائی کا دعویٰ کیا، یا لوگوں نے ان کو یہ درجہ دیا تو دنیا میں بگاڑ ہی بگاڑ بڑھتا گیا اور انسانی زندگی میں نئی نئی گرہیں پڑیں، جب ایک معمولی سی گھڑی کسی اناڑی کے ہاتھ پڑ جاتی ہے اور اس کی مشین میں دخل دیتا ہے تو وہ بگڑ جاتی ہے تو یہ نظام عالم ان مصنوعی خداؤں سے کیسے چل سکتا ہے؟ اس دنیا کے اتنے مسائل، اتنے مراحل اور اس میں اتنی پیچیدگیاں ہیں کہ اگر ایک انسان اس دنیا کو چلانا چاہے تو یقیناً اس کا انجام بگاڑ ہوگا۔ میرا منشا یہ نہیں کہ انسان انسانیت کے دائرہ میں ترقی نہ کرے، بلکہ یہ کہ انسان خدائی کی کوشش نہ کرے، اس نے انسانیت ہی میں کونسی کامیابی حاصل کر لی ہے کہ اب وہ خدائی کی ہوس کرے ؎

تو کار زمیں را نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی

مذاہب کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب اس قسم کی کوشش کی گئی تو ایسی پیچیدگیاں رونما ہوئیں جن کا کوئی علاج نہ تھا، یہ کوشش دنیا کے گوشہ گوشہ میں ہمیشہ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ہوتی رہی ہے، ایسے لوگوں نے فطرت سے زور آزمائی کی ہے اور فطرت سے لڑ کر انسان نے ہمیشہ شکست ہی کھائی ہے۔

دوسری طرف اکثر ایسے انسان گزرے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو چوپایہ

جانا، ان کو بحیثیت انسان کے اپنی ترقی کا کوئی احساس نہیں ہوا، اپنی انسانیت اپنی روحانیت اور خدا شناسی کو ترقی دینے کا ان کو کبھی خیال تک نہیں ہوا، دنیا میں زیادہ تعداد انہیں انسانوں کی رہی ہے، اس زمانہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں یہ دونوں بغاوتیں، یہ دونوں عیب اور یہ دونوں فساد جمع ہو گئے ہیں۔ اس وقت تقریباً ساری دنیا انہیں دو گروہوں میں بٹی ہوئی ہے۔ چند آدمی ہیں جو خدائی کے دعویدار ہیں اور جن کو دیوتا بننے کا شوق ہے، باقی اکثر وہ انسان ہیں جو چوپایوں اور درندوں کی سی زندگی گزار رہے ہیں، اس لئے اس زمانہ کا بگاڑ ہر زمانہ کے بگاڑ سے بڑھ گیا ہے اور زندگی عذاب جان بن گئی ہے۔

اس وقت مردم شماری کے خانوں میں کوئی ایسا خانہ نہیں کہ جو لوگ اپنی انسانیت کی قدر کرتے اور اس کو صحیح طور پر استعمال کرتے ہیں اس میں ان کا اندراج کیا جائے، مگر آپ خود ہی انصاف کیجئے کہ آپ کے چاروں طرف زندگی کا جو طوفان امڈا ہوا ہے اس میں کتنے انسان ہیں جن کو انسانیت کا احساس ہے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں صرف ایک معدہ اور پیٹ ہی نہیں دیا گیا ہے بلکہ اللہ نے انسان کو روح بھی دی ہے، دل بھی دیا ہے اور دماغ بھی عطا کیا ہے، جن کو ہم ہمیشہ نظر انداز کرتے اور ان کے صحیح استعمال سے بچتے ہیں۔ ہم جنسی خواہشات اور مادی ضروریات کے ریلے میں ایسے بہے چلے جا رہے ہیں، جیسے ایک گاڑی اپنے اختیار سے باہر باہر لڑھک رہی ہو جس پر کسی کا کوئی قابو نہ ہو، میں اور سمجھا کر کہوں یوں سمجھئے کہ انسانیت ایک سائیکل ہے اور وہ سائیکل ایک ڈھلوان پل پر سے پھسل رہی ہے، اس میں نہ کوئی گھنٹی ہے نہ بریک، اور نہ اس کے ہینڈل پر کسی کا ہاتھ ہے۔

جغرافیہ کی پرانی تعلیم یہ بتلاتی تھی کہ زمین چپٹی ہے، جغرافیہ کی نئی تحقیقات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زمین گول ہے، لیکن مجھے جغرافیہ کے استاد اور طالب علم معاف کریں۔ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ زمین ڈھلوان ہے۔ اس لئے کہ ساری قومیں اور ان کے تمام افراد اخلاقی بلندی سے حیوانی پستی کی طرف لڑھکتے چلے آرہے ہیں اور روز بروز ان کی رفتار تیز ہوتی جارہی ہے۔ ہماری زمین کا یہ کرہ ضرور آفتاب کے گرد گردش کر رہا ہے۔ مگر اس کرۂ ارض پر بسنے والا انسان مادیت اور معدہ کے گرد چکر لگا رہا ہے، زمین کی گردش کا انسانوں کے اخلاق اور معاملات پر کوئی اثر نہیں پڑتا لیکن انسانوں کی اس گردش کا تمام دنیا کے اخلاق اور حالات پر اثر پڑ رہا ہے، نظام شمسی میں حقیقی مرکز آفتاب ہو یا زمین، لیکن عملی زندگی میں انسانوں کا حقیقی مرکز معدہ یا پیٹ اور حیوانی عنصر بنا ہوا ہے اور ساری انسانیت اس کے گرد چکر لگا رہی ہے، آج دنیا میں سب سے وسیع رقبہ معدہ کا ہے، یوں کہنے کو تو وہ انسان کے جسم کا بہت مختصر حصہ ہے لیکن اسکا طول و عرض اور عمق اتنا بڑھ گیا ہے کہ ساری دنیا اس میں سماتی چلی جارہی ہے، یہ معدہ اتنی بڑی خندق ہے کہ پہاڑوں سے بھی نہیں بھرتا، آج سب سے بڑا مذہب سب سے بڑا فلسفہ معدہ کی عبادت ہے، تعلیم گاہوں میں اسی کا غلام بننا سکھایا جارہا ہے، آج کامیاب انسان بننے کا فن سکھایا جاتا ہے، دوسرے الفاظ میں دولت مند بننے کا، آج دولت مند بننے کی ریس ہے، دولت مند بننے کی حرص اتنی بڑھ گئی ہے کہ انسان کو خود اپنے تن من کا ہوش نہیں رہا، مطالعہ، علم اور فنون لطیفہ کا مقصد بھی یہی ہوگیا ہے کہ انسان کہاں سے زیادہ سے زیادہ روپیہ حاصل کرسکتا ہے؟

سب سے بڑا علم اور ہنر یہ ہے کہ لوگوں کی جیبوں سے کس طرح روپیہ نکال کر اپنی جیب بھری جائے؟ اتنا ہی نہیں بلکہ تھوڑے سے تھوڑے وقت میں زیادہ سے زیادہ دولت مند بننے کی کوشش کی جاتی ہے، دولت مند بننے کی کوشش تمدن اور سوسائٹی کے لئے اتنی مضر نہیں جتنی جلد دولت مند بننے کی ہوس ہے، یہی ہوس، رشوت، خیانت، غبن، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی اور حصول دولت کے دوسرے مجرمانہ ذرائع پر آمادہ کرتی ہے، اس لئے کہ ان مجرمانہ طریقوں کے بغیر جلد دولت مند بننا ممکن نہیں۔ اس ذہنیت کی وجہ سے ساری دنیا میں ایک مصیبت برپا ہے، دفتروں میں طوفان ہے، منڈیوں میں قیامت کا منظر ہے، آج انسان جونک بن گئے ہیں، اور انسان کا خون چوسنا چاہتے ہیں۔ آج کوئی کام بے غرض و بے مطلب نہیں رہا، آج کوئی شخص بغیر اپنے فائدہ اور مطلب کے کسی کے کام نہیں آتا۔ آج ہر چیز اپنی مزدوری اور فیس مانگتی ہے، کبھی کبھی تو یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ اگر درخت کے سایہ میں دم لیں گے تو شاید درخت بھی اپنی فیس و مزدوری مانگنے لگیں گے۔ اقبال نے کہا ہے:۔

ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس

آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

لیکن ان تین طبقوں کی یہ خصوصیت نہیں، سب کا حال یہی ہو رہا ہے کہ دولت اور خواہشات نفس کا نشہ سوار ہے۔ آج دولت کمانا ہی زندگی کا مقصد بن گیا ہے اور ساری دنیا اس کے پیچھے دیوانی ہے، آج جس انسان کو طالب خدا ہونا چاہیئے تھا، اس کی معرفت اور محبت سے اپنا ویران دل آباد، اپنا اندھیرا دماغ

روشن، اپنی بے مقصد و بے کیف زندگی بامقصد اور پرکیف بنانی چاہیئے تھی، سارے دل اور دماغ کے ساتھ اس سے محبت کرنی چاہیئے تھی اور اس کے راستہ میں سب کچھ مٹا کر حقیقی زندگی حاصل کرنی چاہیئے تھی۔ صد حیف کہ وہ انسان حقیقی محبت، اور صحیح معرفت سے محروم ہے، اس لئے زندگی کی اصل لذت سے محروم ہے۔ حقیقی انسانیت سے محروم ہے، اور افسوس ہے کہ لاکھوں کروڑوں انسانوں کو اس محرومی کا احساس بھی نہیں، آج جس انسان کو خدا کا پرستار ہونا چاہیئے تھا وہ دولت کا پرستار اور نفس کا غلام بنا ہوا ہے اور اس کو اس خلافِ فطرت غلامی کا احساس بھی نہیں۔

ہر جگہ نفس کا قبضہ ہے

سیاسی اختلافات اور نظام سلطنت تو فرصت کی باتیں ہیں۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ حکومت اندرون حکومت خواہشات کی ہے۔ حکومت پر قبضہ خواہ کسی قوم یا پارٹی کا ہو اور خواہ کوئی صدر یا وزیر ہو مگر دراصل ہر جگہ نفس کا قبضہ اور خواہشات کا تسلط ہے۔ پہلے برطانیہ کے متعلق کہتے تھے کہ اس کی سلطنت میں آفتاب غروب نہیں ہوتا، لیکن آج جس حکومت اور سلطنت میں آفتاب غروب نہیں ہوتا وہ نفس کی خواہش اور من کی چاہت ہے۔

وقت کا فرمان یہ ہے کہ نفس کی خواہش پوری کی جائے، دل کی آگ بجھائی جائے، چاہے انسانوں کے خون کی نہریں بہتی ہوں، خواہ انسانوں کے اوپر ان کی لاشوں کو روندتے ہوئے گزرنا پڑے، خواہ قومیں اس راستہ پر پامال ہو جائیں، خواہ ملک کے ملک ویران اور تباہ ہو جائیں۔

لیکن اس میں ذرا تعجب کی بات نہیں، سینکڑوں برس سے جو تعلیم انسانوں کو دی جا رہی ہے خواہ وہ تعلیم گاہوں کے ذریعہ ہو یا سینماؤں کے ذریعہ یا ادب

وشاعری کے ذریعہ، جو ہر ملک اور ہر قوم میں رائج ہے، اس کا ماحصل یہی ہے کہ تم مَن کے راجہ اور نفس کے غلام ہو۔

دوستو! اس زمانے کے سارے انسانوں کی آبادیاں اس لحاظ سے ایک سطح پر ہیں اور اس کے خلاف کوئی آواز سنائی نہیں دیتی، ملکوں کے خلاف بغاوت کرنے والے بہت ہیں، چھوٹے چھوٹے مسئلوں کے لئے بھوک ہڑتال کرنے والے بہت ہیں، مقامی مسائل کے لئے جان کی بازی لگا دینے والے بہت ہیں۔ لیکن انسانیت کیلئے مرنے والے کتنے ہیں؟ کتنے ایسے ہیں جن کو حقیقی انسانیت کی فکر ہے؟ آج دنیا میں اگر کسی کو انسانیت کے انحطاط کا احساس بھی ہے تو اس میں یہ جرأت نہیں ہے کہ انسانیت کے لئے آواز اٹھائے، سارے کرۂ ارض میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو انسانیت کے لئے اپنی قربانی دے۔

پیغمبروں کی بے غرضی و بے نیازی دراصل پیغمبروں ہی کی جرأت تھی، خواہ وہ ابراہیمؑ ہوں یا موسیٰؑ، عیسیٰؑ ہوں یا محمدؐ (اللہ کا درود وسلام ہو اُن پر) کہ انھوں نے ساری دنیا کو چیلنج کر کے انسانیت کے خلاف جو بغاوت جاری تھی اس سے روکا، ان کے سامنے دنیا کی لذتیں اور دولتیں لائی گئیں مگر انہوں نے سب کو ٹھکرا دیا، اور انسانیت کے درد میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا، اللہ کے برگزیدہ اور منتخب بندوں کی یہ جماعت، جس کو پیغمبروں کی جماعت کہا جاتا ہے، دنیا کو کچھ دینے کیلئے آئی تھی، دنیا سے کچھ لینے کے لئے نہیں آئی تھی، ان کی کوئی ذاتی غرض نہ تھی! انہوں نے دوسروں کے پنپنے کی خاطر اپنے کو مٹایا، انہوں نے دوسروں کی آبادی کی خاطر اپنے گھروں کو اجاڑا! انہوں نے دوسروں

کی خوش حالی کے لئے اپنے متعلقین کو فقر و فاقہ میں مبتلا کیا، انہوں نے غیروں کو نفع پہنچایا اور اپنوں کو منافع سے محروم کیا۔ کیا دنیا کے رہنماؤں میں ایسی بے غرضی اور خلوص کی مثالیں مل سکتی ہیں؟ پیغمبروں نے اپنے اپنے زمانہ میں اپنی اپنی قوموں میں خلش پیدا کی اور ان کو محسوس کرایا کہ موجودہ زندگی خطرہ کی ہے، جو لوگ اطمینان کے عادی تھے اور میٹھی نیند سو رہے تھے اور میٹھی نیند ہی سونا چاہتے تھے، انہوں نے پیغمبروں کی اس دعوت اور تنبیہ کے خلاف سخت احتجاج کیا اور بڑی شکایت کی کہ انہوں نے ہمارا عیش مکدر کر دیا اور ہماری نیند خراب کی۔ لیکن جو گھر میں آگ لگی ہوئی دیکھتا ہے وہ سونے والوں کی پروا نہیں کرتا اور اس کو کسی کی نیند پر ترس نہیں آتا، پیغمبر انسان کے حقیقی ہمدرد تھے، وہ دنیا کو خواب خرگوش سے بیدار کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے، دنیا کے گمراہ رہنماؤں اور نفس کے بندوں نے دنیا کو مارفیا (MORPHIA) کے انجکشن دئے اور اس کو تھپک تھپک کر سلایا، مگر پیغمبروں نے انسانوں کو جھنجوڑا اور غفلت سے بیدار کیا، یہ چھوٹی چھوٹی جنگیں اور لڑائیاں دراصل اسی لئے ہوئیں کہ دنیا سے غفلت دور ہو اور دنیا پر جو تاریکی مسلط ہے وہ ختم ہو انسان حقیقی انسانیت کو سمجھے۔

پیغمبر اسلامؐ کی شخصیت ہمارے سامنے سب سے زیادہ ممتاز اور سب سے زیادہ واضح اور روشن، سب سے زیادہ بلند مرتبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ اگر ہم اس حقیقت کا اظہار نہ کریں تو یہ ایک خیانت ہو گی، ہمارا ضمیر اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ان کے اس احسان کو نہ بتلائیں جو انہوں نے انسانیت پر کیا۔

جب دنیا میں ایک انسان یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اللہ ہی اس دنیا کو اکیلا چلا رہا ہے اور وہی بندگی اور اطاعت کا مستحق ہے، آپ نے اس حق کا اعلان کیا اور اس آواز کو بلند کیا کہ آج دنیا کے ہر حصے سے یہ آواز بلند ہو رہی ہے اور جب کوئی آواز سننے میں نہیں آتی تو یہی آواز کانوں میں آتی ہے۔ آج یہ آواز تمام دنیا میں پھیل گئی ہے۔

آپ کی تعلیم اور آپ نے جو کچھ دنیا کو عطا کیا، وہ انسانیت کا مشترک سرمایہ ہے جس پر کسی قوم کی اجارہ داری قائم نہیں ہو سکتی، جس طرح ہوا، پانی اور روشنی پر کسی کو اجارہ داری کا حق نہیں اور کوئی اس پر اپنی مہر اور اپنی چھاپ نہیں لگا سکتا، اسی طرح آنحضرتؐ کی تعلیمات ساری دنیا کا حق ہیں اور ہر شخص کا اس میں حصہ ہے جو ان سے فائدہ اٹھانا چاہے۔ یہ دنیا کی تنگ نظری ہے کہ وہ ان حقوق کو کسی قوم یا ملک کی جاگیر سمجھے۔ دوستو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم محسنِ انسانیت تھے اور ساری انسانیت آپ کی ممنون ہے۔ دنیا میں جو کچھ عدل و انصاف اس وقت موجود ہے اور جن حقیقتوں کو اس وقت تسلیم کیا جا رہا ہے وہ سب آپؐ کا فیض ہے۔

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے — یہ سب پود انہیں کی لگائی ہوئی ہے

دوستو! ہم اس موجودہ نظام زندگی کو چیلنج کرتے ہیں، ہم لوگوں سے ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں کہ تم دنیا کو آج جتنا بلند سمجھتے ہو وہ اتنی ہی پست ہے۔ ہم صاف کہتے ہیں کہ دنیا تدریجی خودکشی کی طرف جا رہی ہے، یہ راستہ انسانیت کی تباہی کا راستہ ہے۔ میں مسجد سے سیدھا اسٹیج پر نہیں آیا بلکہ کتب خانوں کے راستہ سے، مطالعہ کے راستہ سے اور معلومات کے راستہ سے آپ کے سامنے

آیا ہوں، آپ میں سے کچھ لوگ یورپ کی دو ایک زبانیں جانتے ہوں گے، میں خود یورپ کو جانتا ہوں ع

تم انگریزی داں ہو، میں انگریز داں ہوں

میں سارے یورپ سے خم ٹھونک کر کہتا ہوں کہ تمہارا پورا نظام زندگی غلط ہے اور وہ انسانیت کو ہلاکت کی طرف لے جا رہا ہے، میرا دعویٰ ہے اور پورے استدلال اور یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ دنیا کی نجات پیغمبروں ہی کے راستہ میں ہے اور دنیا کے لئے اس وقت خدا کے یقین اس کے خوف، دوسری زندگی پر ایمان، اور پیغمبروں کی رسالت کے اقرار کے سوا کوئی چارہ نہیں، یہی ہماری دعوت ہے اور یہی ہماری جدوجہد کا مقصد ہے

ان کا جو فرض ہے وہ اہل سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

عالم اسلام کے عظیم رہنما، مفکر، مصنف اردو اور عربی
زبان کے صاحب طرز ادیب، مشہور داعی دین علامہ وقت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ

کی چند اہم شاہکار تصنیفات

نمبر	نام کتاب		قیمت
۱	نبی رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم) حصہ اول (سیرت النبیؐ)	۰۰	۲۴
۲	" " " " حصہ دوم	۰۰	۲۱
	قیمت کامل دو حصے	۰۰	۴۵
۳	تاریخ دعوت وعزیمت — حصہ اول	۰۰	۳۰
۴	" " " — حصہ دوم	۰۰	۲۴
۵	" " " — حصہ سوم	۰۰	۲۰
	قیمت کامل تین حصے	۰۰	۷۴
۶	مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش	۰۰	۱۸
۷	انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر	۰۰	۲۵
۸	منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین	۰۰	۲۰
۹	دریائے کابل سے دریائے یرموک تک	۰۰	۱۸
۱۰	جب ایمان کی بہار آئی	۰۰	۱۸
۱۱	صحبتے با اہل دل	۰۰	۲۰
۱۲	پرانے چراغ — (معاصر شخصیتوں کے متعلق سوانحی خاکے)	۰۰	۲۷

دیگر اہم مطبوعات

نمبر	کتاب	مصنف		قیمت
۱	زادِ سفر (ترجمہ ریاض الصالحین) حصہ اول	امۃ اللہ تسنیم رح ہمشیرہ	..	۲۲
۲	" " " حصہ دوم	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	..	۲۴
	قیمت کامل دو حصے		..	۴۶
۳	مشاہیر اہلِ علم کی محسن کتابیں	مولانا محمد عمران خان ندوی	..	۱۴
۴	اصح السیر	مولانا حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف قادری داناپوری	..	۴۰
۵	علم جدید کا چیلنج	وحید الدین خان	..	۱۸
۶	طوفان سے ساحل تک	محمد اسد سابق لیوپولڈ وس	..	۱۸
۷	تاریخ مشائخ چشت	حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ	..	۱۶
۸	مقالاتِ سیرت	ڈاکٹر آصف قدوائی	..	۱۸
۹	اسلام اور غیر اسلامی تہذیب	شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح	..	۱۲
۱۰	محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے	مولانا تقی الدین ندوی	..	۱۸
۱۱	اسوۂ حسنہ (ترجمہ و تلخیص زاد المعاد)	مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی ندوی رح	..	۲۰
۱۲	مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت اور اب میرا موقف	مولانا محمد منظور نعمانی	..	۱۵
۱۳	تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ	ڈاکٹر محمد یونس نگرامی ندوی	..	۱۱
۱۴	آپ بیتی	مولانا عبدالماجد دریابادی رح	..	۲۸
۱۵	معاصرین	مولانا عبدالماجد دریابادی رح	..	۲۴

منصبِ نبوت

اور

اس کے عالی مقام حاملین

جس میں بنی نوع انسان اور تمدن انسانی پر نبوت کے احسانات، انبیاء کرام کی امتیازی خصوصیات، نبوت کے پیدا کردہ ذہن و مزاج اور طریقۂ فکر، نبوت کے تیار کردہ انسانی نمونوں، نیز نبوتِ محمدی کے لافانی کارناموں اور ختم نبوت کی ضرورت و اہمیت اور اس کے دور رس، عمیق اور انقلاب انگیز اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی

ناشر فضل ربی ندوی مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد ۱ کراچی ۱۸
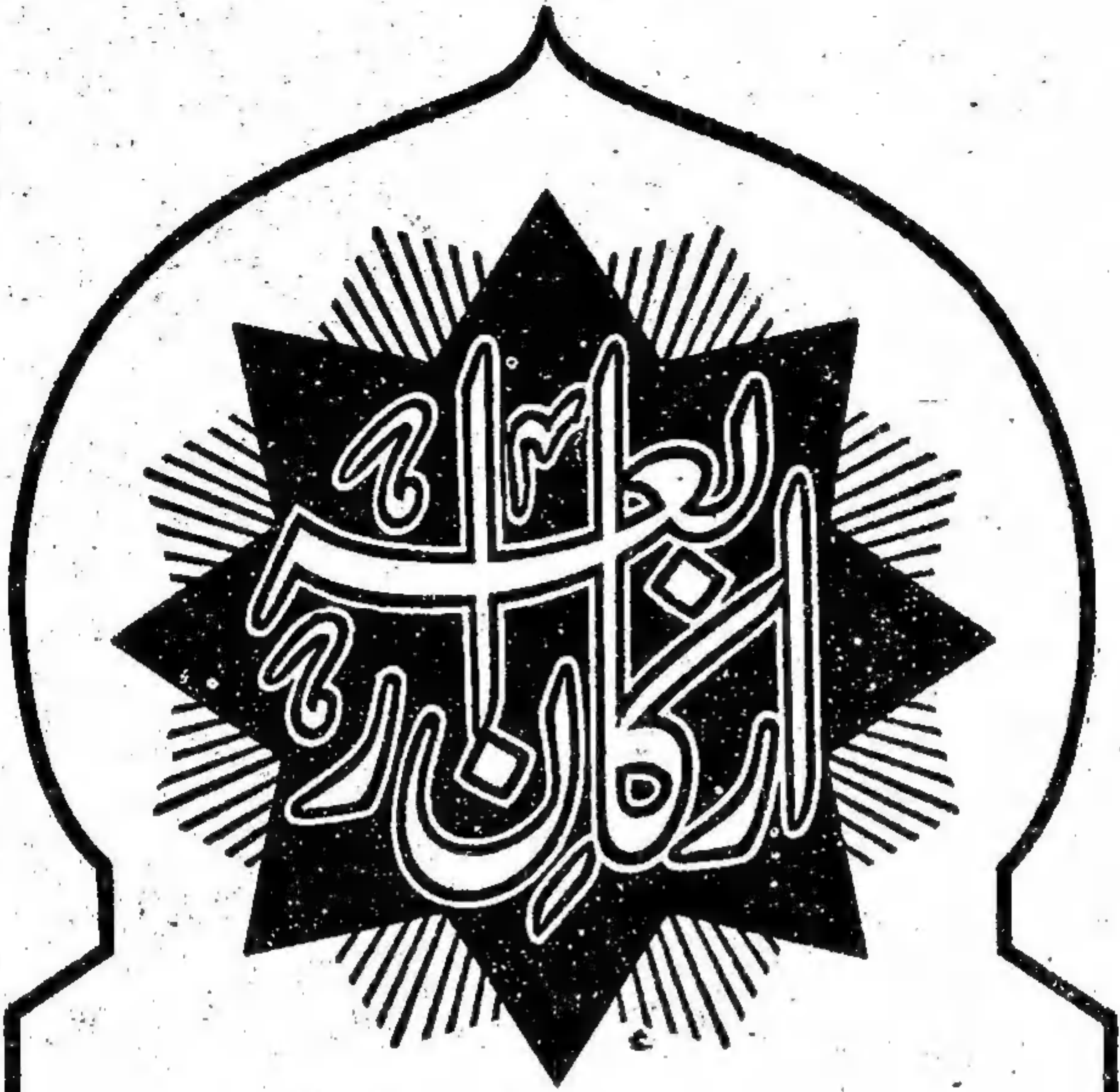
ارکانِ اربعہ
اسلامی عبادات کتاب و سنت کی روشنی میں
تقابلی مطالعہ کیساتھ
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
قیمت ۲۲ روپے
مجلس نشریات اسلام ۱۔ کے ۳۔ ناظم آباد ۱ کراچی ۱۸

اصلاح حیات
تالیف
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
اس مجموعہ میں سات مضامین اور چار تقریریں
شامل ہیں ان مضامین اور تقریروں میں سیرت نبوی
ایمان وعقیدہ اور عام انسانی مسائل پر بحث کی گئی
ہے اور نئے طرز سے سوچنے اور نئے طریقے پر کوشش
کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔
مجلس نشریات اسلام ۱-کے ۳ ناظم آباد ۱ کراچی ۱۸
مجلد ۸۰